فہرست

لمعات:〈پارٹیاں〉	ادارہ	3
مومن کی زندگی (قرآن کے آئینے میں)	غلام احمد پرویز	5
شاہکار رسالت ﷺ	آغا شورش کاشمیری (مرحوم)	24
وارثانِ منبر ومحراب کی خدمت میں	آغا شورش کاشمیری (مرحوم)	29
میانہ روی کی زندگی	ڈاکٹر انعام الحق، اسلام آباد	32
نظریۂ زندگی	غلام باری، مانچسٹر	36
انتخاب لغات القرآن	ڈاکٹر انعام الحق، اسلام آباد	42
یوم الفرقان	خواجہ ازہر عباس، فاضل درسِ نظامی	43

ENGLISH SECTION

Two 'equal' in marriage

by Ubedur Rahman Arain 1

Why the West craves materialism & why the East sticks to religion

by Imran Khan 4

حدیث نبوی ﷺ

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو مخابرہ کو نہیں چھوڑتا اس کے خلاف خدا اور رسول ﷺ کی طرف سے اعلانِ جنگ سمجھو۔ حضرت زید بن ثابتؓ نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ مخابرہ سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا زمین کو نصف یا تہائی یا چوتھائی (وغیرہ) بٹائی پر لینا یا دینا۔ (ابوداؤد۔۔۔ کتاب البیوع)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

پارٹیاں

مملکتِ خداداد اِسلامی جمہوریہ پاکستان میں چھوٹے اور بڑے ہزاروں ہوٹل اور ریستوران ہیں۔ ان میں اعلیٰ درجے کے ہوٹل اور ریستوران بھی سینکڑوں کی تعداد سے کم نہ ہوں گے۔ آپ کسی شام' کسی ہوٹل میں چلے جائیے۔ رمضان کے مہینہ میں کسی نہ کسی کو افطار پارٹی دی جا رہی ہوگی۔ عام دنوں میں ظہرانہ' عصرانہ' عشائیہ' ہائی ٹی اور پتہ نہیں اس کے علاوہ اور کیا کیا۔

یہ پارٹیاں بالعموم Stablished لیڈروں یا بننے والے لیڈروں کے اعزاز میں متوقع مفاد کے حصول کے لئے تقریب کا کام دیتی ہیں۔ بعض لیڈر ایسے بھی ہیں جن کے اعزاز میں ہفتوں تک پارٹیوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ ایک ایک پارٹی میں پانچ پانچ سو مہمان۔ ہوٹل والے' پانچ سو روپے سے لے کر پندرہ سو روپے فی کس کے حساب سے وصول کرتے ہیں۔ اس کے بدل میں جو کچھ وہاں سے ملتا ہے اس میں پچاس فیصدی چمک دمک۔ چالیس فی صدی بیماری اور دس فیصدی غذا ہوتی ہے۔ یہ اس قوم کے مشغلے ہیں جس کے کروڑوں نفوس ایسے ہیں جنہیں دو وقت کی روٹی نصیب نہیں ہوتی۔ ایک دن میں ہی آٹا چینی کے حصول میں قطار میں کھڑی 18 خواتین دم گھٹنے سے مر جاتی ہیں۔ جس کی آبادی کا بیشتر حصہ منجمد کر دینے والے جاڑوں اور جھلسا دینے والی گرمیوں میں سڑکوں پر سوتا ہے۔ جن کے لاکھوں گھرانے خستہ وخراب دربدر مارے مارے پھر رہے ہیں جن کی ہزارہا بیٹیاں اور بہنیں ہاتھ پیلے ہونے کے انتظار میں بوڑھی ہو رہی ہیں۔ جن کے یتیموں کا کوئی وارث نہیں' جن کی بیواؤں کا کوئی پرسان حال نہیں' جن کے بیماروں کو دوا میسر نہیں' جن کے مُردوں کو کفن تک نصیب نہیں' یہ جگمگ جگمگ کرنے والی پارٹیاں اسی قوم کے غم میں گھلنے والے لیڈروں کو دی جاتی ہیں۔ نہ پارٹیاں دینے والوں کو شرم آتی ہے۔ نہ انہیں قبول کرنے والوں کو حیا۔ یہ انسانی نظام کی وہ ناہمواریاں ہیں جنہیں قرآن فسادٌ فی الارض کہہ کر پکارتا ہے اور جس کا فطری اور لازمی نتیجہ بربادی اور تباہی قرار دیتا ہے۔

حذر اے چیرہ دستاں! سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

قسم ہے بغداد اور رومتہ الکبریٰ کے کھنڈرات کی! یہ کچھ قوموں اور سلطنتوں کے مٹنے کے زمانے میں ہوا کرتا ہے' ابھرنے کے وقت نہیں!

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قرآنی حقائق کو سمجھنے کے لئے

ماہنامہ طلوع اسلام

خود پڑھئے' دوسروں کو پڑھنے کے لئے پیش کیجئے

اگر

ہر قاری' ماہنامہ طلوع اسلام کا ایک نیا قاری بنا دے تو

قرآنی حقائق جاننے والوں کی تعداد دگنی ہوسکتی ہے

طلوع اسلام

کا پیغام دگنے افراد تک پہنچ سکے گا

کیا ایسا کرنا بہت ہی مشکل ہے؟

طلوعِ اسلام ایک ماہنامہ ہی نہیں بلکہ ایک زندہ اور زندگی بخش تحریک ہے جس کا مقصد قرآنی فکر کو اس طرح عام کرنا ہے کہ وہ نوجوانوں کے دِل کی گہرائیوں میں اُتر جائے اور وہاں سے

صحیح آسمانی اِنقلاب بن کر اُبھرے!

آپ طلوع اسلام کی مدد کیسے کر سکتے ہیں؟

بس اپنی زندگیوں کو قرآنی احکامات کے تابع لاکر دوسروں کے لئے نمونہ بنائیے اور اپنے کردار کی بدولت اپنے احباب کو طلوع اسلام کا خریدار بنائیے۔ اپنے شہر میں طلوع اسلام کی ایجنسی قائم کیجئے۔ کسی مقامی ایجنٹ کو تیار کیجئے کہ وہ طلوع اسلام کا لٹریچر منگوائے۔ ممکن ہو تو اپنے علاقے سے طلوع اسلام کے لئے اشتہار مہیا کیجئے۔

سالانہ زرِشرکت اندرون ملک 225 روپے' بیرون ملک 1000 روپے۔ رقم بذریعہ منی آرڈر' بنام ادارہ طلوع اسلام 25 بی' گلبرگ 2' لاہور۔ پاکستان ارسال فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غلام احمد پرویز

بتاؤں تُجھ کو مسلماں کی زندگی کیا ہے؟

مومن کی زِندگی

(قرآن کے آئینے میں)

قرآن کریم کی تعلیم‘ انسان کو کیا بنا دیتی ہے‘ اس کی تفصیل میں جایئے تو کئی مجلدات درکار ہوں گی لیکن اگر اسے اجمالی طور پر بیان کرنا چاہیں تو اس سے بہتر‘ جامع اور حسین انداز میں کچھ اور نہیں کہا جا سکتا جسے علامہ اقبالؒ نے اس ایک مصرعہ میں سمودیا ہے کہ

آنچہ حق می خواہد‘ آں سازد ترا

اِنسان اور حیوان میں فرق

’’قرآن کی تعلیم انسان کو وہ کچھ بنا دیتی ہے جو کچھ خدا چاہتا ہے کہ یہ بن جائے‘‘ یعنی جس مقصد کے لئے انسان کو پیدا کیا گیا ہے‘ وہ مقصد پورا ہو جائے۔ اس کے سفر حیات کے لئے‘ جو منزل مقرر کی گئی ہے‘ یہ اس منزل و منتہیٰ تک پہنچ جائے۔ انسان اور دیگر حیوانات کی تخلیق میں ایک بنیادی فرق ہے۔ دنیا کے ہر حیوان نے جو کچھ بننا ہوتا ہے‘ وہ از خود وہ کچھ بن جاتا ہے۔ اس کے لئے اسے نہ کسی تعلیم و تربیت کی ضرورت ہوتی ہے‘ نہ سعی و کاوش کی حاجت۔ فطرت نے اس کے اندر جو کچھ بننے کے امکانات رکھے ہیں‘ وہ امکانات از خود بتدریج‘ مشہود ہوتے چلے جاتے ہیں تا آنکہ ایک عمر تک پہنچ کر‘ وہ حیوانی بچہ‘ اپنی نوع کا مکمل فرد بن جاتا ہے --- شیر کا بچہ شیر بن جاتا ہے۔ بکری کا بچہ بکری۔ لیکن انسانی بچے میں فطرت نے جو مضمر صلاحیتیں رکھی ہوتی ہیں‘ ان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک حیوانی یا طبیعی صلاحیتیں۔ یہ دیگر حیوانات کی طرح از خود نشو و نما پا کر‘

ایک منتہیٰ تک پہنچ جاتی ہیں اور وہ بچہ بالآخر آدمی بن جاتا ہے۔ دوسری صلاحیتیں انسانی ہیں۔ یہ ازخود نشو ونما نہیں پاتیں۔ انہیں مناسب تعلیم و تربیت سے نشو ونما دے کر اجاگر کرنا ہوتا ہے۔ قرآن کریم وہ پروگرام دیتا ہے جس سے فرد کی وہ مضمر صلاحیتیں پوری پوری نشو ونما پا کر مشہود ہو جاتی ہیں اور پھر وہ انہیں ان مقاصد کے لئے صرف کرتا ہے جو اس کے لئے متعین کئے گئے ہیں۔ جب وہ اس مقام پر پہنچ جائے گا کہ انسان وہ کچھ بن گیا جو کچھ بننا اس کے لئے مقصود و مطلوب تھا۔ قرآن نے ایسے فرد کو **مردِ مومن** کہہ کر پکارا ہے اور انسان کی اس ہیئت کو **احسن تقویم** قرار دیا ہے (95:4)۔ یعنی ایسی ہیئت جو حسن و توازن میں انتہا تک پہنچ گئی ہو۔

مومن

جن خصوصیات کے مظہر یہ افراد ہوں انہیں صفاتِ مومنین کہا جاتا ہے اور جب یہ خصوصیات' محسوس شکل میں سامنے آئیں تو انہیں **اعمالِ صالح** سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یعنی ایسے کام جو اس فرد کی بھرپور انسانی صلاحیتوں کے اثمار و نتائج ہوں اور جن سے عالمِ انسانیت کے بگڑے ہوئے معاملات سنور جائیں۔ جو معاشرہ ایسے افراد پر مشتمل ہو' اسے قرآن نے خَیۡرَ اُمَّةٍ (3:110) ''بہترین قوم جسے نوع انسان کی بہود کے لئے پیدا کیا گیا ہے'' قرار دیا ہے اور اُمَّةً وَسَطاً (2:143) ''یعنی ایسی قوم جسے عالمِ انسانیت میں مرکزی حیثیت حاصل ہو'' کا مقام دیا ہے۔ سطحی نظر سے دیکھئے تو معاشرہ' جماعت یا امت' افراد ہی کے مجموعہ کا نام ہوتی ہے لیکن اجتماعی نفسیات پر نگاہ رکھنے والے جانتے ہیں کہ جماعت' افراد کی حاصل جمع (Sum Total) کا نام نہیں ہوتی۔ اس کی اپنی خصوصیات ہوتی ہیں۔

اُمّت کی خصوصیات

اس لئے قرآن' افراد کی خصوصیات کے علاوہ۔ جماعتِ مومنین کی خصوصیات کا ذکر بھی خاص طور پر کرتا ہے۔ یا یوں کہئے کہ وہ افراد کی تعلیم۔ تربیت اور نشو ونما کے علاوہ' ان اصول وضوابط کی بھی وضاحت کرتا ہے جن کے مطابق ان افراد نے اجتماعی امور سرانجام دینے ہوتے ہیں اور جن کی بناء پر وہ ایک منفرد جماعت بنتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ یہی وہ مقام ہے جہاں قرآنی تعلیم کی انفرادیت اور بے مثالیت نکھر کر سامنے آتی ہے اور اسی مقام کے سامنے نہ ہونے سے' اچھے اچھے سمجھدار لوگوں کو بھی یہ دھوکا لگ جاتا ہے کہ ''عالمگیر سچائیاں تمام مذاہب میں یکساں طور پر پائی جاتی ہیں☆۔''

نظام اور فرد

''عالمگیر سچائیوں'' سے ان کی مراد ہوتی ہے عام اخلاقی اصول۔۔۔ مثلاً جھوٹ نہ بولو۔ چوری نہ کرو۔ کسی کو ستاؤ نہیں۔ وغیرہ۔ وغیرہ جب وہ دیکھتے ہیں کہ یہی اخلاقی اصول قرآن پیش کرتا ہے اور یہی تعلیم دنیا کے دیگر مذاہب میں بھی

☆ ترجمان القرآن۔ ابوالکلام آزاد مرحوم۔

پائی جاتی ہے تو وہ پکار اٹھتے ہیں کہ ''عالمگیر سچائیاں تمام مذاہب میں یکساں طور پر پائی جاتی ہیں''۔ لیکن وہ یہ نہیں دیکھتے کہ جس اجتماعی نظام میں ان اخلاقی اصولوں کے حامل افراد زندگی بسر کرتے ہیں' اس نظام کے اصول کیا ہیں۔ مثال کے طور پر سمجھئے کہ ایک برہمن جھوٹ نہیں بولتا۔ چوری نہیں کرتا۔ انسان تو ایک طرف' کیڑوں مکوڑوں تک کو بھی نہیں ستاتا لیکن جس اجتماعی نظام کا وہ فرد ہے اس کا اصول یہ ہے کہ پیدائش کے اعتبار سے انسان اور انسان میں اس قدر گہرا اور بنیادی فرق ہوتا ہے کہ برہمن کے گھر میں پیدا ہونے والا بچہ ساری عمر دوسروں سے اپنی پرستش کراتا ہے اور شودر کے ہاں جنم لینے والا بچہ' تمام عمر' دوسروں کی خدمت اور بیگار میں بسر کر دیتا ہے اور یہ فرق اس قدر غیر متبدل ہوتا ہے کہ شودؔر کے گھر میں پیدا ہونے والے بچے کے جوہر ذاتی اور اس کی ہزار محنت اور کوشش اس فرق کو مٹا نہیں سکتی۔ آپ کہئے کہ جو معاشرہ اس اجتماعی اصول کے مطابق متشکل ہو' اس میں افراد کی اس قسم کی ''نیکیاں'' محدود سے انفرادی حلقہ میں قدرے سکون پیدا کر سکتی ہیں لیکن نہ تو یہ انسان کو اس کا صحیح مقام دینے کے قابل بن سکتی ہیں اور نہ ہی عالمگیر انسانیت کی فوز و فلاح کا موجب۔ حتیٰ کہ یہ اس باطل نظام کو تباہی سے بچا سکنے کے قابل بھی نہیں ہوسکتیں جس کے اندر وہ ''نیک انسان'' زندگی بسر کرتا ہے۔ یا مثلاً جس معاشرہ کا اصول یہ ہو کہ جو بچہ بنی اسرائیل (یہودیوں) کے ہاں پیدا نہ ہو' وہ نجات و سعادت حاصل نہیں کر سکتا۔ اس معاشرہ میں افراد کی اس قسم کی نیکیاں کہ وہ جھوٹ نہیں بولتے اور چوری نہیں کرتے۔ عالمِ انسانیت کے کس کام آ سکتی ہیں؟ یا جس معاشرہ میں عقیدہ یہ ہو کہ ہر انسانی بچہ' پیدائشی طور پر گنہگار پیدا ہوتا ہے اور اس کے گناہوں کا یہ داغ ''خدا کے بیٹے'' (حضرت مسیحؑ) کے کفارہ پر ایمان سے ہی دھل سکتا ہے۔ اس کے سوا' اس داغ کے مٹنے کی کوئی صورت نہیں' اس معاشرہ میں لوگوں کا رحمدل' حلیم الطبع اور منکسر المزاج ہونا' شرفِ انسانیت کی دلیل کیسے بن سکتا ہے؟

باطل کا نظام اور انفرادی نیکیاں

دنیائے مذاہب سے الگ ہٹ کر دیکھئے اور سوچئے کہ کیا نظامِ ملوکیت میں' ایک بادشاہ کے لئے' جو کروڑوں انسانوں پر اپنی مرضی چلاتا ہے' یہ بات موجبِ فخر قرار پا سکتی ہے کہ اس نے ساری عمر تہجد قضا نہیں کی یا شراب نہیں پی؟ نظامِ سرمایہ داری میں' اگر ایک جاگیردار۔ زمیندار یا کارخانہ دار' جو ہزاروں محنت کش غریبوں کے گاڑھے پسینے کی کمائی سمیٹ کر لے جاتا ہے' یہ کہتا ہے کہ اس نے کبھی چوری نہیں کی' تو کیا اسے نیک انسان کہا جا سکتا ہے؟ اگر ایک مذہبی پیشوا' جو دن رات عوام کو اس قسم کے عقائد کی تعلیم دیتا رہتا ہے کہ امیری اور غریبی انسان کی تقدیر سے وابستہ ہے جسے خود خدا نے مقرر کیا ہے اور خدا کے لکھے کو کوئی مٹا نہیں سکتا' اور اس کے ساتھ کہتا ہے کہ اس نے ساری عمر جھوٹ نہیں بولا' تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اس کی یہ انفرادی نیکی' انسانیت کی اجتماعی میزان میں کوئی وزن رکھے گی؟ ان مثالوں سے آپ اندازہ لگا لیجئے کہ جن انفرادی اخلاقی خوبیوں کو ''عالمگیر سچائیاں'' کہہ کر اسلام کو مذاہبِ عالم کی صف میں ہم دوش کھڑا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے' غلط

اجتماعی نظام میں ان کی حقیقت کیا رہ جاتی ہے؟ اصل یہ ہے کہ مذہب اور دین میں بنیادی فرق یہ ہے کہ مذہب' انفرادی ضابطہ اخلاق کا علمبردار ہوتا ہے اجتماعی نظام سے اسے سروکار نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس' دین' اجتماعی نظامِ انسانیت کو سامنے رکھتا ہے اور افراد کی اخلاقی خوبیوں کو اس لئے ضروری قرار دیتا ہے کہ اس سے اس معاشرہ کا توازن قائم رہے جو عالمگیر انسانیت کی سلامتی اور ارتقاء کا ضامن ہے' اور یوں انسان وہ کچھ بن جائے جو کچھ بن سکنے کا اس میں امکان ہے۔

قرآن کی جامع تعلیم

جو کچھ اوپر کہا گیا ہے اس سے واضح ہے کہ:

(1) جس معاشرہ میں افراد' عام اخلاقی ضوابط کی پابندی نہیں کرتے' اس معاشرہ میں کسی کو امن اور سکون نصیب نہیں ہوسکتا اور خود معاشرہ کی بنیادیں متزلزل ہو جاتی ہیں۔

(2) جس معاشرہ میں' افراد عام اخلاقی ضوابط کے پابند ہوں' لیکن خود معاشرہ' غلط اجتماعی اصولوں پر متشکل ہو' اس میں عام معاشرتی روابط میں تو قدرے سکون حاصل ہوسکتا ہے لیکن نہ تو اس معاشرہ کی بنیادیں مستحکم ہوتی ہیں' اور نہ ہی اس کا وجود عالمگیر انسانیت کے لئے موجبِ رحمت بن سکتا ہے۔ اور

(3) جس معاشرہ میں افراد' عام اخلاقی ضوابط کے پابند ہوں' اور خود معاشرہ بھی صحیح اجتماعی اصولوں کا علمبردار ہو' اس میں' افراد معاشرہ کو حقیقی امن وسکون میسر ہوتا ہے۔ ان کی طبعی اور انسانی صلاحیتیں نشوونما پا کر برومند ہوتی چلی جاتی ہیں اور اس کا وجود عالمگیر انسانیت کے لئے موجبِ فلاح وسعادت ہوتا ہے۔

قرآنِ کریم اسی قسم کا معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے' جس میں افرادِ معاشرہ عام اخلاقی اصولوں کے شدت کے ساتھ پابند ہوں اور جو معاشرہ ان افراد پر مشتمل ہو' وہ ان مستقل اقدار کا حامل ہو جو عالمگیر انسانیت کو اس کی منزلِ مقصود تک لے جائے اور یہ ہے قرآن کا وہ نظام جس کی مثال کسی اور جگہ نہیں مل سکتی۔ قرآنی تعلیم اپنی اس خصوصیتِ کبریٰ کی بناء پر بے مثل ومنفرد ہے۔ قرآن میں مومنین کی ان انفرادی اور اجتماعی خصوصیات کا ذکر اس تفصیل' کثرت اور تکرار سے آیا ہے کہ اس سے افراد کی سیرت وکردار کا صحیح نقشہ اور جماعتِ مومنین (اسلامی معاشرہ) کا بیّن اور واضح تصور سامنے آ جاتا ہے۔ اکثر مقامات پر ان انفرادی اور اجتماعی خصوصیات کا ذکر الگ الگ آیا ہے لیکن بعض مقامات پر یہ ایک دوسرے میں یوں سموئی ہوئی سامنے آتی ہیں جیسے ایک حسین وشاداب شجرِ طیّب کہ اگر اس کی شاخوں' پتیوں' پھولوں اور شگوفوں کو الگ الگ بھی دیکھا جائے تو پورے کا پورا درخت باعثِ شادابیٔ قلب ونظر ہو جائے اور اگر' اس سرسبز وشاداب درخت پر بہ ہیئتِ مجموعی نگاہ ڈالی جائے تو اس کی تمام پھول پتیوں کی نزہت ونظافت وجۂ نشاط روح بن جائے۔ آئندہ سطور میں' ان افراد کی بعض نمایاں خصوصیات کا ذکر کیا جاتا ہے جنہیں قرآن مومن کہہ کر پکارتا ہے۔ اس مقصد کے لئے کہ ہم ان خصوصیات کی روشنی میں' اپنی

سیرت وکردار پر نگاہ ڈالیں اور دیکھیں کہ وہ کس حد تک ان کے آئینہ دار ہیں۔ اس لئے کہ جس طرح عرق گلاب اسے کہا جائے گا جس میں گلاب کی خوشبو اور خصوصیات ہوں۔ اگر اس میں یہ صفات نہ ہوں تو وہ عرق گلاب نہیں ہوگا پانی کا پانی ہوا' خواہ اس بوتل پر کیسے ہی خوبصورت لیبل پر سنہرے حروف میں ''عرق گلاب'' لکھا ہو۔ اسی طرح مومن وہ کہلائے گا جو مومن کی صفات کا حامل ہو۔ یہی وہ معیار ہے' جس پر ہم اپنے مومن ہونے کے دعوے کو پرکھ سکتے ہیں اور ان صفات کے تذکرہ سے یہی مقصود ہے۔

تمسخر نہ اڑاؤ

سب سے پہلے معاشرہ کے روزمرہ کے معاملات اور روابط کو لیجئے اور دیکھئے کہ قرآنِ کریم ان امور کو بھی کس قدر اہمیت دیتا ہے جنہیں عام طور پر قابلِ اعتنا نہیں سمجھا جاتا لیکن جن سے معاشرہ میں بڑی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ وہ جماعتِ مومنین سے تاکید کرتا ہے کہ:

لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ (49:11)-

کوئی جماعت' دوسری جماعت کا تمسخر نہ اڑائے۔

آپ جانتے ہیں کہ تمسخر' جسے ہمارے ہاں بڑا (Lightly) لیا جاتا ہے' کتنے بڑے فساد کا موجب بن جاتا ہے۔ تمسخر درحقیقت ایک گہری نفسیاتی کیفیت کا مظاہرہ ہوتا ہے' جو نفرت۔ حسد اور انتقام کے جذبات کی پیدا کردہ ہوتی ہے' لیکن اس شخص میں اتنی جرأت نہیں ہوتی کہ وہ ان جذبات کا اظہار کھلے بندوں کرے۔ وہ انہیں تمسخر کے فریب کارانہ پردوں میں چھپا کر پیش کرتا ہے۔ تمسخر کے تیز تر نشتر کی شکل وہ ہوتی ہے جسے کسی کا ''نام رکھنا'' کہتے ہیں۔ قرآن نے یہ کہہ کر اس سے بھی روک دیا کہ:

وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ(49:11)-

ایک دوسرے کے بُرے بُرے نام مت رکھا کرو۔

(2) اس کے بعد ہے:

وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ (49:11)-

اور آپس میں ایک دوسرے پر الزام مت لگاؤ۔

الزام تراشی

الزام تراشی کس قدر سنگین جرم ہے اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ قرآن کی رُو سے زنا کی سزا سو کوڑے ہے اور پاک دامن عورتوں کے خلاف الزام تراشی کی سزا اسّی کوڑے۔ ہوتا یہ ہے کہ دوسرے پر الزام لگانے والا' خود تو معتبر بن

جاتا ہے اور فریق مقابل کو خواہ مخواہ ملزموں کے کٹہرے میں کھڑا کر دیتا ہے کہ وہ اپنی بریّت ثابت کرے۔ اس سے اور کچھ نہیں تو اکثر لوگوں کے دل میں اس شخص کے خلاف بدظنی ضرور پیدا ہو جاتی ہے اور وہ یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ بھائی! بالآخر کچھ نہ کچھ بات تو ہو گی ہی جس کی بنا پر یہ الزام لگایا گیا ہے!

تا نہ باشد چیز کے گویند مرداں چیز ہا

بدظنی سے بچو

قرآن کریم نے ایک طرف الزام تراشی اور بہتان بافی کی اس قدر سخت سزا مقرر کی، اور دوسری طرف جماعتِ مومنین سے تاکید کی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيراً مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ (49:12)-

اے جماعتِ مومنین! بدظنی سے بہت زیادہ بچو۔ یاد رکھو! بعض بدظنی بدترین گناہ تک پہنچ جاتی ہے۔

اسلامی معاشرہ کے افراد کے دلوں میں ایک دوسرے کے متعلق ہمیشہ خیر سگالی کے جذبات ہونے چاہئیں۔ لیکن جس دل میں، کسی کے متعلق بدظنی پیدا ہو جاتی ہے، اس میں خیر سگالی کے جذبات باقی نہیں رہتے۔ اس کا علاج قرآن نے یہ بتایا ہے کہ (1) ہر شخص کے متعلق تمہارا پہلا ردِعمل (First Reaction) نیک ہونا چاہئے۔ اس کا ارشاد ہے کہ: وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَى إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِناً (4:94)- جو تمہیں سلام کہے اس کے متعلق، یہ نہ کہو کہ تم مومن نہیں ہو۔ اگرچہ یہ آیت، جنگ کے سلسلہ میں ایک اور اہم اصول کی وضاحت کرتی ہے لیکن جب اس کا اطلاق عام معاشرتی روابط پر کیا جائے گا تو اس کا مطلب یہی ہو گا کہ (تحقیق سے پہلے) تمہارا پہلا ردِعمل، ہمیشہ نیک ہونا چاہئے۔ قرآن کے اسی حکم پر مبنی عدل کا یہ اہم اصول قائم ہوتا ہے کہ جب تک کسی کے خلاف جرم ثابت نہ ہو جائے اسے بے گناہ سمجھنا چاہئے۔ اس سلسلہ میں اس نے کہا کہ جب کوئی شخص، تم سے کسی کے خلاف کوئی بات کہے تو تمہارا پہلا ردِعمل یہ ہونا چاہئے کہ: هَذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ (24:12)- یہ صریح جھوٹ ہے۔ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ (24:16)- یہ بہت بڑا بہتان ہے۔ اپنے دل میں ردِعمل یہ پیدا کرو اور پھر اس بات کا چرچا مت کرو۔ (24:19)- اگر بات ایسی ہے کہ وہ بالبداہت غلط نظر آتی ہے تو اس کے متعلق خواہ مخواہ کی کرید مت کرو۔ وَلَا تَجَسَّسُوا (49:12)- لیکن اگر اس کے متعلق کسی حتمی نتیجہ تک پہنچنا ضروری ہے تو اس کی تحقیق کرو۔ اس تحقیق کے متعلق قرآن نے خصوصیت سے کہا ہے کہ:

وَلاَ تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولـٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْؤُولاً (17:36)-

جس معاملہ کی تم خود تحقیق نہ کرو اس کے پیچھے مت لگا کرو۔ یاد رکھو! تمہاری سماعت، بصارت، قلب (کان، آنکھ اور دل) ہر ایک سے پوچھا جائے گا (کہ آیا تم نے ان سے کام لے کر اس معاملہ کی تحقیق کر لی تھی یا نہیں)۔

غیبت مت کرو

اور اگر معاملہ ایسا ہے جس کا اثر جماعتی زندگی پر بھی پڑتا ہے تو اسے متعلقہ حکام تک پہنچاؤ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنبِطُونَهُ مِنْهُمْ (4:83)- تا کہ وہ تحقیق کر کے بات کی تہ تک پہنچ جائیں (نیز 49:6)۔اسی سلسلہ میں قرآنِ کریم نے یہ کہا ہے: وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضاً (49:12)- تم ایک دوسرے کی غیبت مت کرو۔ کسی کی پیٹھ پیچھے اس کے خلاف کوئی بات نہ کرو۔ جو بات کرنی ہو اس کے سامنے کہو۔ اگر آپ سے کوئی شخص، کسی کی غیر حاضری میں، اس کے خلاف کوئی بات کہتا ہے تو آپ کا فریضہ ہے کہ اس سے کہو کہ چلو! یہ بات اس شخص کے سامنے چل کر کرو۔ آپ دیکھیں گے کہ اس سے آپ کتنے بڑے فساد کا رخنہ بند کر دیتے ہیں۔

اذیّت مت پہنچاؤ

کسی کے خلاف جھوٹے الزام لگانے، یا اس کی غیبت کرنے سے اسے جس قدر قلبی اذیّت پہنچ سکتی ہے، اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ قرآنِ کریم نے کہا ہے کہ مومن ایک دوسرے کے لئے قلبی سکون اور مسرت کا موجب ہونے چاہئیں، نہ کہ باعثِ اذیت وکوفت۔ اسی لئے فرمایا:

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَاناً وَإِثْماً مُّبِيْناً (33:58)-

جو لوگ مومن مردوں اور عورتوں کو بلا جرم وخطا، ناحق اذیّت پہنچاتے ہیں، تو وہ بہتان تراشی کے جرم کے مرتکب ہوتے ہیں اور کھلے ہوئے گناہ کا کام کرتے ہیں۔

اس نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ:

لَّا يُحِبُّ اللّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوَءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَن ظُلِمَ (4:148)-

اللہ اسے بھی پسند نہیں کرتا کہ تم خواہ مخواہ کسی بات کی تشہیر کرتے پھرو۔ ہاں مگر جو مظلوم ہو اسے اس کی اجازت ہے کہ وہ اپنے ظلم کے مداوا کے لئے داد فریاد کرے۔

☆☆☆

دِل کا شفاف ہونا

آپ نے غور فرمایا کہ قرآنِ کریم روزمرہ کی زندگی سے متعلق ان چھوٹی چھوٹی احتیاطی تدابیر سے، کس طرح ایسی خرابیوں کا سدِ باب کر دیتا ہے، جو معاشرہ میں بہت بڑے فتنہ اور فساد کا موجب بن جاتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم، ان (بظاہر) معمولی سی تدابیر پر عمل کرنا شروع کر دیں تو معاشرہ میں کس قدر امن اور سکون پیدا ہو جائے! لیکن قرآن، ان

چیزوں پر بھی محض میکانکی طور پر عمل نہیں کراتا۔ وہ افراد کے اندر ایسی نفسیاتی تبدیلی پیدا کرتا ہے۔ جس سے یہ تمام باتیں ان کے دل کی گہرائیوں سے ابھرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے جماعتِ مومنین کے جنتی معاشرہ کے متعلق کہا ہے کہ: وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِم مِّنْ غِلٍّ (7:43)-ان کے دل میں کوئی ایسی بات نہیں رہے گی جسے وہ دوسروں سے چھپا کر رکھنا چاہیں۔ آپ غور کیجئے کہ وہ معاشرہ فی الواقعہ کس قدر جنتی ہوگا جس میں افراد معاشرہ کے دل اس قدر آئینے کی طرح صاف اور شفاف ہوں کہ ان میں غبار اور کدورت کا نشان تک نہ ہو اور ہر ایک کا ظاہر و باطن یکساں طور پر سب کے سامنے ہو۔

اُلفت اور اخوّت

اسی کو قرآن نے ''دلوں میں باہمی اُلفت پیدا کرنے'' سے تعبیر کیا ہے اور جماعتِ مومنین کو جس نعمتِ خداوندی کی یاد دلائی ہے وہ یہی باہمی اُلفت ہے۔ چنانچہ اس جماعت کو مخاطب کر کے کہا گیا وَاذْكُرُواْ نِعْمَتَ اللّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاء . تم خدا کی اس نعمتِ کبریٰ کو یاد کرو کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ. خدا نے تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کی اُلفت ڈال دی۔ الفت' اس قسم کے تعلق کو کہتے ہیں جس میں ایک دوسرے کے دل یوں باہم گر مدغم ہو جائیں جس طرح بادل کا ایک ٹکڑا دوسرے ٹکڑے کے اندر ضم ہو جاتا ہے۔۔۔ تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگرے۔۔۔اس باہمی اُلفت کا نتیجہ یہ ہوا کہ: فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَاناً. تم اس نوازش خداوندی سے' ایک دوسرے کے بھائی بھائی بن گئے۔وَكُنتُمْ عَلَىَ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا.تم (اس سے پہلے) جہنم کے گڑھے کے کنارے پر پہنچ چکے تھے۔بس اس میں گرنے ہی والے تھے کہ خدا نے تمہیں اس سے بچا لیا۔كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ (3:103)-اس طرح اللہ اپنے احکام کو واضح طور پر بیان کرتا ہے تاکہ تم جان لو کہ زندگی کا صحیح راستہ کون سا ہے۔ یہ ''باہمی الفت'' ایسی گراں بہا متاع اور نایاب جنس تھی' کہ نبی اکرمﷺ سے کہا گیا۔۔۔ کہ اگر تو چاہتا کہ ساری دنیا کی دولت خرچ کر کے' ان کے دلوں میں ایسی الفت پیدا کر دے' تو بھی ایسا نہ ہوسکتا(8:63)-

اعتصام بحبل اللہ

یہ متاع' باہر سے خرید کر دلوں میں داخل نہیں کی جاسکتی۔ یہ تو دلوں کے اندر تبدیلی سے پیدا ہوتی ہے۔یعنی یہ نتیجہ ہوتی ہے قران کے ساتھ وابستگی کا۔اسی لئے' اسے قائم رکھنے کے لئے فرمایا کہ: وَاعْتَصِمُواْ بِحَبْلِ اللّهِ جَمِيعاً وَلاَ تَفَرَّقُواْ (3:103)- خدا کی اس رسی کو سب مل کر مضبوطی سے تھامے رہو اور تفرقہ مت پیدا کرو۔ یہی وہ رشتہ ہے جس میں منسلک ہونے کے بعد کہا کہ: إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ (49:10)- مومن ایک دوسرے کے بھائی بھائی ہیں۔ بھائی بھی ایسے جن کی کیفیت یہ ہے کہ: رُحَمَاء بَيْنَهُمْ (48:29)- آپس میں ایک دوسرے کے ہمدرد و غمگسار أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ (5:54)-ایک دوسرے کے سامنے جھکے ہوئے۔۔۔

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم

لیکن اس نرمی کے یہ معنی نہیں کہ کوئی غلط کام کرے تو اسے روکا ٹوکا بھی نہ جائے۔

بُرائی سے روکو

قرآن کریم نے یہودیوں کی تباہی کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی ہے کہ: كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَن مُّنكَرٍ فَعَلُوهُ (5:79)- وہ ایک دوسرے کو بری باتوں سے روکتے نہیں تھے۔ جب جماعتِ مومنین کا عام فریضۂ امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہے (3:103-109, 9:71-72) یعنی لوگوں کو ان باتوں کے کرنے کا حکم دینا جنہیں قرآن نے اچھا قرار دیا ہے اور ان امور سے روکنا جنہیں وہ ناپسندیدہ قرار دیتا ہے تو اس کے یہ معنی تھوڑے ہیں کہ یہ جماعت' دوسروں کو تو ایسا کہے گی لیکن خود اپنے معاشرے میں یہ کچھ نہیں کرے گی؟ وہ تو سب سے پہلے' ان امور کو خود اپنے ہاں عام کرے گی اور اسکے بعد انہیں دوسروں تک پھیلائے گی۔ اسی لئے جماعتِ مومنین کی خصوصیت یہ بتائی کہ: وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (103:3)- وہ ایک دوسرے کو حق (قرآنی احکام وقوانین) کے ساتھ تمسک اور استقامت پذیر رہنے کی تلقین کرتے ہیں اور اس طرح باہمی اصلاح کرتے رہتے ہیں۔۔۔

باہمی صلح کراؤ

اس لئے کہ: وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ (8:1)- ان کے خدا کا ارشاد ہے اور یہ بھی ارشاد ہے کہ اگر سوءِ اتفاق سے ان کی دو جماعتوں میں کہیں لڑائی جھگڑا ہو جائے تو فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا (49:9)- ان میں باہمی صلح کراؤ اور اگر ان میں سے کوئی پارٹی سرکشی پر اتر آئے تو اسے اس سے' بزور روکو اور جب وہ اپنی اس روش سے باز آ جائے تو ان دونوں میں عدل وانصاف کے مطابق صلح کرا دو۔

توبہ کا مفہوم

یہیں سے ہمارے سامنے' ایک اور اہم اصول آتا ہے اور وہ ہے توبہ۔ ایک شخص کا عام کردار اچھا ہے لیکن کسی وقت اس سے نادانستہ کوئی غلط حرکت سرزد ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد اسے اس کا احساس ہوتا ہے تو وہ اپنے کئے پر نادم ہوتا ہے۔ اگر اس کی اس غلط حرکت سے کسی کو اذیت یا نقصان پہنچا ہے تو اس سے معافی مانگتا ہے اور آئندہ کے لئے اس کی پوری پوری احتیاط برتتا ہے کہ کبھی اس قسم کی حرکت سرزد نہ ہو۔ اسے قرآن نے تاب و اصلح سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی جس مقام سے نادانستہ غلط قدم اٹھا تھا' اس مقام پر واپس آ جانا اور اس کے بعد اپنی ایسی اصلاح کرنا کہ پھر ایسی غلطی نہ ہو۔ جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے' اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ حرکت' نادانستہ۔ غلطی' سہو اور خطا سے سرزد ہوئی ہو۔ عمداً ایسا نہ کیا ہو۔

چنانچہ قرآن کریم نے اس کی تصریح کردی ہے کہ: إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوَءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِن قَرِيبٍ فَأُوْلَـئِكَ يَتُوبُ اللّهُ عَلَيْهِمْ (4:17)- توبہ اسی کی ہے جس سے کوئی غلطی نادانستہ سرزد ہو جائے اور اس کے بعد وہ فوراً اس کی تلافی کردے۔ اس میں نادانستہ (بجهالةٍ) اور فوراً (من قریبٍ) کے الفاظ غور طلب ہیں۔ یہی چیز قرآن کریم نے دیگر مقامات پر بھی بیان کی ہے مثلاً (16:119 میں)۔

عمداً جرائم

اس کے برعکس، ایک شخص دیدہ دانستہ، عمداً۔ ارادۃً۔ غلط حرکات کا ارتکاب کرتا ہے، جھوٹ بولتا ہے، دوسروں کے خلاف جھوٹے الزام لگاتا ہے، غیبت کرتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اور جب وہ کہیں گھر جاتا ہے۔ اپنی مدافعت کی کوئی شکل نہیں دیکھتا، تو کہہ دیتا ہے کہ مجھے معاف کردو۔ تو اس کا نام توبہ نہیں۔ اس کے دیدہ و دانستہ ارتکاب نے یہ واضح کردیا کہ یہ چیزیں اس کے کردار کا جزو بن چکی ہیں۔ یونہی نادانستہ سرزد نہیں ہوئیں۔ اس لئے، جب تک وہ اپنے کردار میں تبدیلی نہیں پیدا کرے گا، ان باتوں سے باز نہیں آسکے گا۔ وہ توبہ کرنے اور معافی مانگنے کے بعد بھی ایسا کچھ کرتا رہے گا۔ اسی لئے قرآن نے وضاحت سے کہہ دیا کہ: وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّى إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الآنَ (4:18)- توبہ ان لوگوں کی نہیں ہے جو بری حرکات کرتے رہتے ہیں تا آنکہ جب ان کے سامنے موت آ کھڑی ہوتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ میں توبہ کرتا ہوں۔۔۔ ''موت کے سامنے آ جانے'' سے مفہوم یہ ہے کہ جب اسے اس کا یقین ہو جائے کہ جو کچھ اس نے کیا ہے وہ بے نقاب ہو جائے گا اور وہ اس کے مؤاخذہ سے بچ نہیں سکتا تو پھر معافی مانگنے لگ جائے۔ یہ منافقت ہے اور بدترین کردار کی علامت۔ یہی وجہ ہے کہ جب فرعون ڈوبنے لگا اور اس نے کہا کہ میں خدا پر ایمان لاتا ہوں تو اس سے کہا گیا کہ اب ایمان سے کیا فائدہ؟ یہ بھی واضح ہے کہ ایسے شخص نے اپنی اس قسم کی حرکات سے جس شخص کو اذیت یا نقصان پہنچایا ہے، اگر وہ اسے معاف بھی کردے تو اس سے اتنا ہی ہوگا کہ اس سے کوئی انتقام نہیں لیا جائے گا۔ لیکن اس کی اصلاح تو اسی صورت میں ہو سکے گی جب وہ اپنے کردار میں خود تبدیلی پیدا کرے۔ یہی وہ حقیقت ہے جسے مغربی مفکر، نیٹشے نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ:

> ''جو برائی تم نے میرے ساتھ کی ہے اسے تو میں معاف کردوں گا لیکن اس سے جو برائی تم نے خود اپنی ذات کے خلاف کی ہے، اسے کون معاف کرسکتا ہے؟''

☆☆☆

چھچھوراپن

اب آگے چلئے۔ مردِ مومن اپنے جوہرِ ذاتی اور بلندیٔ سیرت و کردار کی بناء پر اپنے اندر وزن رکھتا ہے اور یہ

وزن، ہر مقام پر اس کا توازن برقرار رکھتا ہے لیکن جب انسان میں یہ خوبیاں نہ ہوں اور اسکا ایگو جھوٹی تسکین چاہے تو اس سے اس کے اندر غرور، نخوت اور پندار کے غلط جذبات ابھر آتے ہیں جس سے اس میں چھچھورا پن پیدا ہو جاتا ہے۔ قرآن کی تعلیم مردِ مومن میں یہ چیز پیدا نہیں ہونے دیتی۔ چھچھورے پن کا مظاہرہ انسان کی گفتار۔ چال ڈھال سے ہوتا ہے۔

نخوت وتکبّر

اس لئے قرآن اس کی تاکید کرتا ہے کہ: وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحاً (31:18)۔ زمین پر یوں ہی اکڑ کر نہ چلو۔ وَاقْصِدْ فِي مَشْيِکَ (31:19)۔ اپنی رفتار میں میانہ روی اختیار کرو۔ اسی طرح وَاغْضُضْ مِن صَوْتِکَ (31:19)۔ اپنی آواز بھی نیچی رکھو۔ چلّا چلّا کر مت بولو۔ بیجا تکبّر اور نخوت سے، لوگوں سے ترش روئی سے پیش نہ آؤ۔ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّکَ لِلنَّاسِ (31:18)۔ اس لئے کہ: إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ (31:18)۔ خدا، خود پسند، شیخی خورے انسان کو پسند نہیں کرتا۔ یہ مومنین کی نشانی نہیں ہے۔

حسد نہیں

مومن کی صفت یہ بھی ہے کہ وہ دوسوں سے حسد نہیں کرتا۔ (4:54) بلکہ کوشش کرتا ہے کہ اس کے اپنے اندر زیادہ سے زیادہ خوبیاں پیدا ہوں اور اس باب میں وہ دوسروں سے آگے نکل جائے۔ اس لئے کہ اس کے خدا کا حکم ہے کہ: فَاسْتَبِقُواْ الْخَيْرَاتِ (2:148)۔ بھلائی کی باتوں میں ایک دوسرے سے بڑھ جاؤ۔ ان کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ: هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ (23:3)۔ وہ ہر قسم کے لغویات سے پرہیز کرتے ہیں، اور اگر کہیں اتفاق سے اس قسم کی باتیں ان کے سامنے آجائیں تو وہ ان سے دامن بچاتے ہوئے شریفانہ انداز سے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَاماً (25:72)۔

صاف۔ سیدھی بات کرو

ان سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ: وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ (22:30)۔ ہر قسم کے مکر وفریب کی ملمع دار باتوں سے اجتناب کرو۔ قُولُوا قَوْلاً سَدِيداً (33:70)۔ ہمیشہ صاف، سیدھی، واضح، محکم، دوٹوک بات کرو۔ يَقُولُواْ الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (17:53)۔ بڑے خوبصورت انداز سے اعتدال کے مطابق۔ اچھی اچھی باتیں کرو۔ لاَ تَلْبِسُواْ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ (2:42)۔ حق اور باطل۔ غلط اور صحیح۔ جھوٹ اور سچ کو آپس میں خلط ملط نہ کرو۔ وَتَكْتُمُواْ الْحَقَّ (2:42)۔ نہ ہی حق کو چھپاؤ۔

عزۃ الاثم

انسان کے اندر ایک بدترین جذبہ ایسا ہے جو اس کی تمام خوبیوں کو تباہ کر دیتا ہے اور اسے کبھی صحیح راستے کی طرف آنے نہیں دیتا۔ یہ ہے اس کے ایگو کا جذبۂ پندار یعنی (False Prestige) کا احساس۔ اسے قرآن نے **عزۃ الاثم** کی جامع اصطلاح سے تعبیر کیا ہے۔ ایک شخص دل میں محسوس کرتا ہے کہ اس نے غلطی کی ہے لیکن اس کے ایگو کا جذبۂ پندار اسے اس کے اعتراف پر آمادہ نہیں ہونے دیتا۔ وہ اس کے لئے اعذار باردہ (Justificatory Reasons) وضع کرتا ہے حالانکہ اس کا دل جانتا ہے کہ یہ دلائل جھوٹے اور یہ وجوہات وضعی ہیں' ایسے شخص پر سعادت کی راہیں کبھی نہیں کھل سکتیں۔ یہ چیز پارٹی بازی میں اکثر حق وصداقت کے راستے میں روک بن کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ اپنی پارٹی کا فرد صریحاً غلطی پر ہو' لیکن ''پارٹی بازی'' کا تقاضا ہے کہ آپ اس کی بہرحال تائید اور مدافعت کریں۔ ایک ڈاکو ہر روز مسافروں کے گلے کاٹے اور غریبوں کو لوٹے۔ اس کی پارٹی کے دوسرے ڈاکو' اسے کبھی بُرا نہیں کہیں گے لیکن اگر وہ لوٹ کے مال میں کچھ خورد برد کرے اور اس کی تقسیم منصفانہ نہ کرے' تو پھر پارٹی والے اسے بے ایمان اور بددیانت قرار دیں گے۔ پارٹی بازی میں یہی کچھ ہوتا ہے۔ اپنی پارٹی کا آدمی جب تک دوسروں کے خلاف کچھ کرتا رہے اسے کبھی نہیں ٹوکا جاتا بلکہ اس کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ اس سے رفتہ رفتہ اس کے دل کی حالت یہ ہو جاتی ہے کہ اس میں کسی بات کو (On Merit) پرکھنے اور عدل وانصاف کی رو سے فیصلہ کرنے کی صلاحیت باقی نہیں رہتی۔ یہ ہے وہ مسخ شدہ ذہنیت جس کے متعلق قرآنِ کریم نے کہا ہے کہ: **وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالإِثْمِ** (2:206)۔ جب اس سے کہا جاتا ہے کہ قوانین خداوندی کی نگہداشت کرو تو جھوٹی عزت کا احساس اس کا راستہ روک کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ **فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ** (2:206)۔ نتیجہ اس کا یہ کہ اس کی انسانی صلاحیتیں جھلس کر راکھ کا ڈھیر بن جاتی ہیں۔

مومن' نفس (ایگو) کے اس فریب میں نہیں آتا۔ یہ اس کے راستے میں کھڑا ہوتا ہے تو وہ دامن جھٹک کر آگے بڑھ جاتا ہے۔

☆☆☆

پابندیٔ عہد

اب مؤمنین کی مثبت صفات کی طرف آیئے۔ ان کے متعلق سورۂ المومنون میں کہا گیا ہے کہ: **هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ** (23:8)۔ یہ لوگ امانات کی حفاظت کرتے ہیں اور عہد کی پابندی۔ حفظِ امانت کے معنی یہی نہیں کہ جو چیز تمہارے پاس بطورِ امانت رکھی جائے اسے بحفاظت واپس کر دو۔ ہر وہ بات جسے کسی نے' تم پر بھروسہ کر کے تمہارے سپرد کی

ہے وہ امانت میں داخل ہے۔خواہ وہ اس کا کوئی راز ہو یا اس کی عزت وآبرو کی رکھوالی۔ جہاں تک عہد' معاہدہ کا تعلق ہے' اس کے معنی یہی نہیں کہ جو اقرار نامہ کسی کو لکھ کر دو اس پر قائم رہو۔اس میں ہر قسم کا وعدہ بھی شامل ہے جو ایک انسان دوسرے سے کرتا ہے۔ یہ بڑی اہم صفت ہے اور اس کی قرآن کریم نے بڑی شدت سے تاکید کی ہے۔أَوْفُــــــــوا بِــالْعُقُـودِ (5:1)- میں ہر قسم کا عہد اور وعدہ آجاتا ہے۔آپ غور کیجئے کہ وعدہ کے معنی کیا ہیں۔آپ کسی سے کہتے ہیں کہ ''بھائی!اس وقت مجھے جانے دو۔میں ٹھیک چار بجے آجاؤں گا''۔تو وہ آپ پر اعتماد کرکے آپ کی بات مان لیتا ہے۔اگر آپ اپنے وعدے کے مطابق آتے نہیں تو آپ اپنا اعتماد کھو دیتے ہیں۔۔۔اور یہ ظاہر ہے کہ دنیا میں بدترین قسم کا معاشرہ وہ ہوتا ہے جس میں کسی کو دوسرے پر اعتماد اور بھروسہ نہ ہو۔ایسے معاشرہ میں ہر شخص عدم اطمینان کے جہنم میں رہتا ہے۔ بعض لوگ تو وعدہ کرتے ہی منافقت سے ہیں یعنی انہوں نے اسی وقت فیصلہ کرلیا ہوتا ہے کہ انہوں نے وعدہ پورا نہیں کرنا لیکن اکثر جذباتی (یاImpulsive) لوگ' شدتِ جذبات میں آگے بڑھ کر ایک وعدہ کرلیتے ہیں اور اس کے بعد' جب جذبات کی شدت ماند پڑ جاتی ہے تو اس وعدہ سے پھر جانے کی راہیں تلاش کرتے ہیں۔اس سے جو نقصان دوسروں کو پہنچتا ہے اسے تو چھوڑیئے۔خود ایسے لوگوں کی سوسائٹی میں کوئی عزت نہیں رہتی۔مومن کی یہ حالت نہیں ہوتی۔ وہ وعدہ کرتا ہے تو سوچ سمجھ کر اور جب وعدہ کرلیتا ہے تو پھر کچھ بھی کیوں نہ ہو۔اسے پورا کرتا ہے۔

جذباتی لوگ

بَـلَـى مَـنْ أَوْفَـى بِـعَهْـدِهِ وَاتَّقَى فَإِنَّ اللّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِين (3:76)- جو اپنے وعدے کو پورا کرتا ہے اور یوں قانونِ خداوندی کی پاسداری کرتا ہے تو یہی لوگ ہیں جو خدا کے نزدیک پسندیدہ اطوار وکردار کے مالک ہوتے ہیں لہٰذا' وعدہ شکنی' خواہ وہ شروع ہی میں بدنیتی کا نتیجہ ہو۔یا بعد میں پھر جانے کی وجہ سے' اس فرد کو ذلیل اور معاشرہ کو تباہ کردیتی ہے۔اسی لئے قرآن نے تاکیداً کہا ہے کہ:أَوْفُـوا بِـالْـعَهْـدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْؤُولاً (17:34)-اپنے وعدہ کو ہمیشہ پورا کرو۔اس کے متعلق تم سے پوچھا جائے گا اور یہ پُرسش تو اسی وقت شروع ہوجاتی ہے جب وعدہ خلافی کرنے والے کو ہر نگاہِ حقارت اور نفرت سے دیکھنے لگتی ہے' خواہ وہ بظاہر کتنا ہی معتبر اور معزز کیوں نہ ہو۔

عدل کے علمبردار

اب آگے بڑھئے۔قرآنِ کریم نے مؤمنین کے متعلق کہا ہے کہ وہ قَآئِماً بِالْقِسْطِ (3:17) ہوتے ہیں یعنی ہمیشہ انصاف پر ڈٹ کر کھڑے رہنے والے۔عدل وانصاف وہ بنیاد ہے' جس پر انسانی سیرت کی عمارت استوار ہوتی ہے اس لئے قرآن کریم اس باب میں مؤمنین کے سامنے ایسا بلند معیار رکھتا ہے جس پر پورا اترنے سے معاشرہ فی الواقعہ جنت میں تبدیل ہوجاتا ہے۔وہ کہتا ہے۔۔۔يَـا أَيُّهَـا الَّـذِيْـنَ آمَنُواْ كُونُواْ قَوَّامِيْنَ بِالْقِسْطِ۔۔۔اے ایمان والو! دنیا میں عدل و

انصاف کے علمبردار بن کر رہو۔ اس باب میں کسی جذبے کو اپنے اوپر اثر انداز نہ ہونے دو۔ یہ کچھ خالصتہً لِللّٰہ کرو۔ اس مقصد کے لئے شہادت دینی پڑے تو نہ مدعی کی طرف سے گواہ بن کر جاؤ نہ مدعا علیہ کی طرف سے۔ بلکہ شُھَدَاءَ لِلّٰہِ ۔تم خدا کی طرف سے گواہ بن کر جاؤ اور سچی سچی گواہی دو۔ وَلَوْ عَلَى أَنفُسِكُمْ ۔خواہ وہ تمہارے اپنے ہی خلاف کیوں نہ جائے۔ أَوِ الْوَالِدَيْنِ ۔ یا تمہارے والدین کے خلاف جائے۔ وَالْأَقْرَبِينَ ۔ یا تمہارے دیگر رشتہ داروں کے خلاف۔۔۔ إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا ۔ وہ دولت مند ہو یا غریب ہو' اس کا بھی تم پر کوئی اثر نہیں پڑنا چاہیے۔ اس لئے کہ فَاللَّهُ أَوْلَى بِهِمَا۔ اللہ کا حق ان دونوں سے زیادہ ہے۔ اس لئے یاد رکھو۔ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَى أَن تَعْدِلُوا ۔تم اپنے جذبات کے پیچھے مت چلو۔ اس باب میں' اپنے قلبی رجحانات کو اثر انداز مت ہونے دو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارے جذبات تمہیں عدل کرنے سے روک دیں۔ وَإِن تَلْوُوا ۔ نہ ہی تم کوئی پیچدار۔ ذو معنی بات کرو۔ أَوْ تُعْرِضُوا ۔ نہ ہی اس سے اعراض برتو۔ پہلو تہی کرو۔ اس لئے کہ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا (4:135)- جو کچھ تم کرتے ہو' خدا کو اس کی خبر ہوتی ہے۔تم اس سے کچھ نہیں چھپا سکتے۔۔۔ یہ ہے عدل کا وہ معیار جو ایک مومن کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ ذرا سوچئے کہ جو معاشرہ ایسے افراد پر مشتمل ہوگا جو اس صفت کے حامل ہوں' اس معاشرہ کی کیفیت کیا ہوگی۔ اس میں یہ نہیں ہوگا کہ اپنی پارٹی کا آدمی ہے تو اس کے لئے میزان اور ہوگی اور دوسری پارٹی کے آدمی کے لئے اور۔۔۔ اس میں' تو دشمن سے بھی عدل کیا جائے گا۔ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا (5:8)- دیکھنا! ایسا نہ ہو کہ کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس پر آمادہ کر دے کہ تم اس کے ساتھ عدل نہ کرو۔ اس سے بھی عدل کرو۔ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى (5:8)- تقویٰ سے قریب ترین رَوش یہی ہے۔

قانونِ عدل

عدل کے سلسلہ میں اتنا سمجھ لینا ضروری ہے کہ اسکی ایک شکل وہ ہے' جسے عدالتی عدل کہا جاتا ہے' یعنی لوگوں کے متنازعہ فیہ معاملات کا فیصلہ کرنا۔ اس کے متعلق قرآنِ کریم کا حکم ہے کہ: إِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ (4:58)- جب تم لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرو' تو ہمیشہ عدل کے ساتھ فیصلہ کرو۔ عدالتی عدل کے معنی یہ ہیں کہ فیصلہ قانون کے مطابق ہو۔ لیکن قرآن کریم اس باب میں ایک قدم آگے جاتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اگر وہ قانون جس کے مطابق فیصلہ کیا جا رہا ہے' خود ہی عدل پر مبنی نہ ہو تو اس کی رو سے کیا ہوا فیصلہ کس طرح مبنی بر عدل کہلا سکے گا'' لہٰذا' جماعتِ مومنین کے متعلق قرآنِ کریم میں ہے: أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ (7:181)- یہ جماعت ''الحق'' کے مطابق لوگوں کی راہنمائی کرتی ہے اور اسی (الحق) کے ساتھ عدل کرتی ہے۔ یعنی ان کے قوانین' الحق پر مبنی ہوتے ہیں اور انہی قوانین کے مطابق یہ لوگوں کے فیصلے کرتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ الحق قرآن کریم ہے کیونکہ خود خدا کا ارشاد ہے کہ: وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ (5:44)- جو لوگ معاملات کے فیصلے قرآن کے مطابق نہیں کرتے' سو وہی کافر ہیں۔

واجب حق

عدل کی دوسری شکل یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کا واجب حق ادا کر دیا جائے۔ اس میں کسی قسم کی کمی نہ کی جائے۔ یہ وہ عدل ہے جو ہر شخص کی زندگی میں قدم قدم پر سامنے آتا ہے اور مومن اس میں ہر مقام پر پورا اترتا ہے۔ آپ سوچئے کہ جس معاشرہ میں ہر شخص کو اس کا حق' بلا کد و کاوش اور بلا پریشانی و تشویش ملتا چلا جائے۔ اس میں زندگی کس قدر خوشگوار گزرے گی۔ اس سلسلہ میں قرآن کریم نے ایسے جامع الفاظ استعمال کئے ہیں جنہیں پھیلانے سے زندگی کا ہر گوشہ اس کے دائرے کے اندر آ جاتا ہے۔ اس نے کہا ہے: وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ (6:152)- ''ماپ اور تول کو عدل و انصاف کے ساتھ پورا کرو۔'' ماپ اور تول میں ہر قسم کے واجبات آ جاتے ہیں۔

احسان

لیکن قرآنِ کریم عدل سے بھی ایک قدم آگے بڑھتا ہے اور اس کے ساتھ احسان کا حکم دیتا ہے جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے' عدل کے معنی ہیں جو کچھ کسی کا واجب ہے وہ ادا کر دینا لیکن اگر اس سے دوسرے کی ضرورت پوری نہ ہوتی ہو تو قرآن کی تاکید یہ ہے کہ اسے' اسکے واجب سے زیادہ دے کر' اس کی کمی کو پورا کر دیا جائے۔ اسے احسان کہتے ہیں جس کے معنی ہیں کسی کے بگڑتے ہوئے توازن کو برقرار کر دینا اور اس طرح معاشرہ میں حسن پیدا کر دینا۔

والدین سے احسان

اس ''احسان'' کی ابتداء اپنے گرد و پیش سے کی جائے گی اور اس میں سرِفہرست والدین کا نام آئے گا۔ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَاناً (4:36)- آپ حیوانات پر غور کیجئے۔ آپ دیکھیں گے کہ وہاں' ماں باپ اپنے بچے کی پرورش تو کرتے ہیں لیکن بچے اپنے والدین کو پوچھتے تک نہیں۔ وہ انہیں جانتے پہچانتے بھی نہیں۔ یہ خصوصیت انسانی زندگی میں آ کر پیدا ہوتی ہے کہ جب ماں باپ بوڑھے ہو جائیں تو اولاد ان کی خبرگیری کرے۔ والدین کے بعد' دوسرے لوگ بھی اسی زمرے میں شامل ہوتے چلے جاتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے: وَبِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ۔ یہی احسان دیگر اقربا سے بھی کرو اور ان لوگوں سے بھی جو معاشرہ میں کسی وجہ سے تنہا رہ گئے ہوں یا جو حرکت کے قابل نہ رہیں اور ان کا چلتا ہوا کاروبار رک جائے۔ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالجَنبِ وَابْنِ السَّبِيلِ۔ نیز ہمسایہ سے بھی' خواہ وہ قریب کا ہو یا دور کا۔ اپنوں میں سے ہو یا بیگانوں میں سے۔ نیز اپنے رفقائے کار کے ساتھ بھی اور ان مسافروں کے ساتھ بھی جن کے پاس زادِ راہ نہ رہا ہو' یا وہ ویسے ہی تمہارے حسنِ سلوک کے متمنی ہوں۔ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ (4:36)- اور ان لوگوں کے ساتھ بھی جو تمہارے ماتحت کام کریں۔ ان سب کے ساتھ عدل کرو۔ ان کے حق میں کسی قسم کی کمی نہ کرو

اور اگر اس کے باوجود' ان میں کوئی کمی رہ جائے تو اس کمی کو بھی پورا کرو۔ اور اس کا دل میں خیال تک بھی نہ لاؤ کہ تم نے ان پر کوئی احسان کیا ہے' چہ جائیکہ اس احسان کی وجہ سے تم ان پر بارگراں بن جاؤ اور انہیں خواہ مخواہ قلبی اور ذہنی اذیت پہنچاتے رہو۔ اس لئے کہ مومنین کا شعار یہ ہے کہ: لاَ يُتْبِعُونَ مَا أَنفَقُواُ مَنّاً وَلاَ أَذًى (2:262)- وہ کسی کو کچھ دے کر اس کے سر پر سوار نہیں ہو جاتے۔ سر پر سوار ہونا تو ایک طرف' وہ ان سے کہہ دیتے ہیں کہ: لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاء وَلَا شُكُوراً (76:9)- ہم تم سے' اس کا بدلہ تو ایک طرف' شکریہ تک کے بھی خواہاں نہیں ہیں۔ اس لئے کہ: هَلْ جَزَاء الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ (55:60)- اس کمی کی وجہ سے تمہارا توازن بگڑ رہا تھا۔ ہم نے اس توازن کو برقرار کر دیا۔ بس یہی اس کا بدلہ ہے۔ دوسروں کی کمی کو پورا کرنے کے سلسلہ میں وہ اس قدر آگے بڑھ جاتے ہیں کہ: وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (59:9)- وہ خود تنگی میں گزارہ کر لیتے ہیں اور دوسروں کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر ترجیح دیتے ہیں۔

مقروض سے نرمی

یہ تو احسان کی صورت ہے جس میں کچھ واپس لینے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ وہ اگر کسی کو قرض دیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ مقروض کی حالت سقیم ہے تو اس پر سختی نہیں کرتے بلکہ اسے اس وقت تک کی مہلت دیتے ہیں جب تک وہ آسانی سے قرض ادا کر دینے کے قابل نہ ہو جائے اور اگر ایسا ہو کہ وہ قرضہ ادا کرنے کے قابل ہی نہیں رہا تو قرض معاف کر دیتے ہیں۔ وَإِن كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَى مَيْسَرَةٍ وَأَن تَصَدَّقُواُ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ (2:280)-

ناحق مال نہ کھاؤ

ظاہر ہے کہ جن لوگوں کی یہ خصوصیات ہوں وہ کسی کا مال ناحق کس طرح کھا جائیں گے اور جائز اور ناجائز کی تمیز کو کس طرح مٹا دیں گے؟ انہیں اس کی تاکید کی گئی ہے کہ: لاَ تَأْكُلُواُ أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُواُ بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُواُ فَرِيقاً مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ (2:188)- آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریق پر مت کھاؤ۔ یا اگر معاملہ عدالت تک پہنچ چکا ہے تو ایسا نہ کرو کہ حکام کو رشوت دے کر ایسا فیصلہ کرا لو جس سے دوسروں کا کچھ مال ناجائز طور پر تمہیں مل جائے حالانکہ تم جانتے ہو کہ جو مال اس طرح حاصل کیا جائے اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔

☆☆☆

حفاظتِ عصمت

یہاں تک ضبطِ نفس کی ان حدود کا ذکر آیا ہے جن کا تعلق مال و دولت سے ہے۔ اس کے بعد جنسی جذبات میں ضبط

وتحدید کی صورت سامنے آتی ہے۔اس باب میں مومن انتہائی پاکبازی کا مظہر ہوتے ہیں۔هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ (23:5)-وہ اپنی عصمت کی حفاظت کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں عصمت وعفت کا لفظ صرف عورت کے لئے استعمال ہوتا ہے لیکن قرآن کریم اس باب میں' مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں کرتا۔ وہ مردوں سے بھی اسی طرح عصمت کا مطالبہ کرتا ہے جس طرح عورتوں سے۔ وہ کہتا ہے کہ مومنین' زنا تو خیر بہت دور کی بات ہے' فواحش (یعنی عام بے حیائی کی باتوں) کے بھی قریب تک نہیں پھٹکتے' خواہ وہ کھلی ہوئی بے حیائی ہو یا پوشیدہ وَلاَ تَقْرَبُواْ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ (6:151)- خود بھی بچتے ہیں اور اس قسم کی تدابیر اختیار کرتے ہیں جن سے اس قسم کی باتیں معاشرہ میں پھیلنے نہ پائیں (24:19)-وہ اپنی نگاہوں کو بھی بے باک نہیں ہونے دیتے کیونکہ ان سے کہا گیا ہے کہ: يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ (24:30)۔اپنی نگاہوں کو بے باک مت ہونے دو۔ وہ جنسی بے راہ روی کے خیال تک کو اپنے دل میں نہیں آتے دیتے' اس لئے کہ ان کا ایمان ہے کہ: يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ (40:19)- خدا' نگاہ کی خیانت اور دل میں پوشیدہ خیالات تک سے واقف ہے۔

خیالات کی پاکیزگی

علاوہ بریں' عام جذبات میں بھی ان کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ وہ انہیں کبھی بدلگام اور حدود فراموش نہیں ہونے دیتے۔اگر کبھی ان میں شدت پیدا بھی ہو تو وہ (تخریب کی بجائے) ان کا رخ تعمیری کاموں کی طرف منتقل کر دیتے ہیں۔ اسی لئے مومنین کی خصوصیت كَاظِمِينَ الْغَيْظَ (3:134)- بتائی گئی ہے۔اس کے معنی ''غصے کو دبا لینے والے'' نہیں۔اس کے معنی ہیں' اس زائد قوت کو تعمیری کاموں کی طرف منتقل کر دینے والے۔

جذبات پر قابو

اس کے بعد ہے:وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ (3:134)-اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایسے مقامات پر یہ نہیں دیکھتے کہ دوسرے ان کے ساتھ کیا برتاؤ کرتے ہیں (تاکہ وہ بھی ویسا ہی برتاؤ ان کے ساتھ کریں)۔وہ ان کے برتاؤ سے قطع نظر کر کے' دیکھتے یہ ہیں کہ انہیں قوانینِ خداوندی کے مطابق کیا کرنا چاہئے۔ان کے جذبات کبھی سرکشی اختیار نہیں کرتے۔ وہ انہیں ہمیشہ اپنے کنٹرول میں رکھتے ہیں۔اسی حقیقت کو قرآن نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ شیطان ان پر کبھی غلبہ نہیں پا سکتا۔ إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ (15:42)- حتیٰ کہ اگر کبھی اس قسم کا کوئی خیال یونہی گھومتے پھرتے ان کے دل میں آ جائے تو وہ فوراً قانونِ خداوندی کو اپنے سامنے لے آتے ہیں اور اس سے یوں ہوتا ہے گویا ایک دم روشنی ان کے سامنے آ گئی اور انہوں نے صحیح راستہ اختیار کر لیا۔إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَواْ إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُواْ فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ (7:201)- زندگی کے ہر شعبے میں' قانونِ خداوندی کو اپنے سامنے رکھنا' یہ ہے وہ سب سے بڑی قوت جس سے مومنین' غلط باتوں کے ارتکاب سے مجتنب رہتے ہیں۔اس کو ذکر اللہ کہتے ہیں۔

خشیّتِ قلبی

ان قوانین کی خلاف ورزی سے جو تباہیاں آتی ہیں' ان کا احساس انہیں کپکپا دیتا ہے إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِيْنَ إِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ مومنین کی خصوصیت یہ ہے کہ جب قوانینِ خداوندی کا مجموعی تصور ان کے سامنے آتا ہے تو ان کی خلاف ورزی سے جو تباہی آتی ہے اس کے احساس سے ان کا دل کانپ اٹھتا ہے۔ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيْمَاناً وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ (8:2)- اور جب ان قوانین کی تفاصیل ان کے سامنے آتی ہیں تو ان پر عمل پیرا ہونے کے خوشگوار نتائج کے تصور سے ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور وہ ان قوانین کی محکمیت پر پورا پورا اعتماد رکھتے ہیں اور یہی وہ' قوانینِ خداوندی پر اعتمادِ کلی اور یقین کامل ہے جس سے انہیں استقامت حاصل ہوتی ہے اور ان کے پاؤں میں کبھی لغزش نہیں آتی۔ اسی لئے انہیں الصَّابِرِيْنَ وَالصَّادِقِيْنَ وَالْقَانِتِيْنَ (3:17)- کہہ کر پکارا گیا ہے۔ یعنی مستقل مزاج۔ مصافِ زندگی میں جم کر کھڑے ہونے والے۔ اپنے دعویٰ ایمان کو اپنے اعمال سے سچ کر دکھانے والے اور قوانین خداوندی کا پورا پورا اتباع کرنے والے۔ اپنی تمام توانائیوں کو ان کے مطابق صرف کرنے والے۔

☆☆☆

صاحبانِ عقل وبصیرت

جذبات کو کنٹرول میں رکھنے کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ لوگ کبھی عقل وفکر سے عاری نہیں ہوتے۔ اپنا دماغی توازن کبھی نہیں کھوتے۔ ہر معاملہ پر نہایت ٹھنڈے دل سے غور وفکر کر کے صحیح نتیجے پر پہنچتے ہیں۔ اسی لئے قرآن نے انہیں أُوْلُوا الْأَلْبَابِ (13:19)- کہہ کر پکارا ہے یعنی وہ صاحبان عقل وبصیرت يَتَفَكَّرُونَ فِيْ خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ جو کائنات کی تخلیق پر غور وفکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذا بَاطِلاً (3:190)- اے ہمارے نشوونما دینے والے! تو نے اس عظیم کارگہ کائنات کو بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ ان کے عقل وفکر سے کام لینے کی کیفیت یہ ہے کہ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمّاً وَعُمْيَاناً (25:73)- اور تو اور' جب ان کے سامنے ان کے رب کے احکام وقوانین پیش کئے جاتے ہیں تو وہ ان پر بھی بہرے اور اندھے بن کر نہیں گر پڑتے۔ انہیں غور وفکر سے قبول کرتے' اور علم وبصیرت کی رو سے ان پر عمل کرتے ہیں۔ اس طرح وحی خداوندی پر ایمان لاتے ہیں اور پھر اپنے جذبات کو اس وحی کے تابع رکھتے ہیں' کیونکہ قرآن کا ارشاد ہے کہ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ (28:50)- ''اس سے بڑھ کر راہ گم کردہ اور کون ہوسکتا ہے جو خدا کی راہنمائی کے بغیر اپنے جذبات کا اتباع کرتا ہے۔۔۔ یوں' وحی خداوندی' علم وعقل اور جذبات کے حسین امتزاج سے' مرد مومن کا قالب تیار ہوتا ہے۔

دلائل و براہین

اقبالؒ کے الفاظ میں

بتاؤں تجھ کو مسلماں کی زندگی کیا ہے
یہ ہے نہایت اندیشہ و کمالِ جنوں
عناصر اس کے ہیں' روح القدس کا ذوقِ جمال
عجم کا حسنِ طبیعت' عرب کا سوز دروں

اور ظاہر ہے کہ جب مومنین خود کسی بات کو سوچے سمجھے بغیر نہ قبول کرتے ہیں نہ تسلیم' تو وہ دوسروں سے اپنی بات کس طرح دھاندلی سے منوا سکتے ہیں۔ وہ اپنے ہر دعوے کو دلیل و برہان کی رو سے پیش کرتے اور علم و بصیرت کی رو سے منواتے ہیں۔ نبی اکرمﷺ سے کہا گیا کہ آپ اعلان کر دیجئے کہ: أَدْعُو إِلَى اللّهِ عَلَى بَصِيرَةٍ أَنَاْ وَمَنِ اتَّبَعَنِي (12:108)- میں تمہیں جو خدا کی طرف دعوت دیتا ہوں تو علیٰ وجہ البصیرت ایسا کرتا ہوں۔ میں بھی یہی کرتا ہوں اور میرے متبعین بھی ایسا ہی کریں گے۔ ہماری دعوت علم و بصیرت پر مبنی ہوگی۔ اسی لئے جماعتِ مومنین سے تاکید کی گئی کہ: ادْعُ إِلِى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (16:125)- تم لوگوں کو' اپنے رب کے راستے کی طرف اس انداز سے دعوت دو کہ ان کے دل اور دماغ دونوں کی تسکین ہو جائے۔ وہ اسے ذہن اور قلب کی پوری رضامندی کے ساتھ مانیں اور جو اعتراضات وہ پیش کریں ان کا جواب نہایت حسن کارانہ انداز سے دو۔ یوں ہی اندھا دھند مت جھگڑتے چلے جاؤ۔ فرعون جیسے سرکش اور متکبر کو بھی پہلے نرمی اور آشتی سے سمجھانے کی کوشش کرو۔ فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَى (20:44)- ہوسکتا ہے کہ اس طرح بات اس کی سمجھ میں آ جائے اور وہ اپنی سرکشی کے تباہ کن نتائج سے ڈر جائے لیکن اگر واسطہ ایسے لوگوں سے پڑ جائے جو اپنی ضد اور جہالت پر اڑے رہنا چاہیں اور کسی بات پر دھیان دینے کی کوشش ہی نہ کریں' تو ان سے اعراض برتو۔ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ (7:199)- لیکن اس کے باوجود ایسے موقعہ کی تلاش میں رہو کہ وہ بات سننے پر آمادہ ہوں تو ان تک پھر خدا کا پیغام پہنچاؤ۔ وَذَكِّرْ بِهِ أَن تُبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ (6:70)- تا کہ وہ اپنی غلط روی کے باعث قرآن کی راہنمائی سے محروم نہ رہنے پائیں۔ (جاری ہے)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آپ کی شکایت

یہ بھی درست کہ رسالہ نہیں پہنچا یا وقت پر نہیں ملا **اور یہ بھی** کہ تعمیل ارشاد میں تاخیر ہوئی یا اس میں کوئی فروگزاشت ہوئی۔
لیکن کیا آپ نے اس پر بھی غور فرمایا کہ آپ نے

۱۔ تبدیلی پتہ کی بروقت اطلاع دی ہے یا نہیں۔
۲۔ خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر لکھا ہے یا نہیں۔
۳۔ زرِ شرکت ادا ہوا ہے یا نہیں۔
۴۔ اپنے علاقے کے پوسٹ کوڈ/ ٹیلی فون نمبر کی بھی اطلاع دیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آغا شورش کاشمیری (مرحوم)

شاہکار رسالتؐ

(ایک معرکہ آرا تصنیف)

(عجمی تخیلات ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔علامہ اقبالؒ اور غلام احمد پرویزؒ)

علامہ اقبالؒ نے تشکیل جدید الٰہیات کے پانچویں خطبہ میں فرمایا تھا:

''اگر قوم کے زوال و انحطاط کو روکنا ہے تو اس کا یہ طریق نہیں کہ ہم گذشتہ تاریخ کو بے جا احترام کی نظر سے دیکھنے لگیں یا اس کا احیاء خود ساختہ ذرائع سے کریں۔''

چودھری محمد احسن کے نام حضرت علامہؒ نے ایک خط میں لکھا (ملاحظہ ہو اقبال نامہ) کہ:

''میرے نزدیک مہدیت و مسیحیت کے متعلق جو احادیث ہیں وہ ایرانی و عجمی تخیلات کا نتیجہ ہیں۔ انکا عربی تخیلات اور قرآن کی صحیح سپرٹ سے کوئی سروکار نہیں۔''

ایک دوسرے خط میں جو مولوی سراج دین کے نام ہے علامہؒ فرماتے ہیں:

''ہندوستان کے مسلمان کئی صدیوں سے ایرانی تاثرات کے اثر میں ہیں ان کو عربی اسلام اس کے نصب العین اور اس کی غرض و غایت سے آشنائی نہیں۔''

انوار اقبال مرتبہ بشیر احمد ڈار (صفحہ 193-192)۔

ڈاکٹر سید یامین ہاشمی کے نام علامہؒ کا ایک خط ہے' فرماتے ہیں:

''میری رائے میں عجمیت ایشیا کے مسلمانوں کی تباہی کا باعث ہوئی ہے۔ اس باطل کے خلاف جہاد کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ عجمیت کا اثر مذہب' لٹریچر اور عام زندگی پر غالب ہے۔''

محمد دین فوق کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں کہ:

''عربی اسلام ہندوستان میں ایک فراموش چیز ہے۔''

(انوار اقبالؒ صفحہ 66)۔

ارمغان حجاز کا وہ مصرع۔ ع

عجم ہنوز نہ داند رموزِ دیں ورنہ

اقبالؒ کے اس شدید تاریخی احساس ہی کا نتیجہ تھا۔

☆☆☆

محولہ بالا اشارات (اقتباسات) کا اقتضاء تھا کہ دانشوران اقبال اس موضوع پر قلم اٹھاتے اور اسلامیات کی تاریخ میں عجمی اثرات کا جائزہ لیتے لیکن کسی اقبالی نے اس پر غور نہیں کیا' نہ اس طرف توجہ کی اور نہ مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے راستہ کی اس سب سے بڑی روک کو دور کیا۔۔ اغلب خیال ہے کہ وہ اس کے اہل ہی نہ تھے اور ایک دوسرا خیال یہ بھی ہے کہ ان کی رُوپہلی اور طلائی مصلحتوں میں اس کا حوصلہ ہی نہ تھا۔

☆☆☆

دو روز پہلے مولانا تاج محمود (لائل پور) کی معیت میں ایک فاضل دوست سے ملاقات ہوئی تو وہاں دوران گفتگو اسلامیات میں عجمی اثرات کا ذکر آ گیا۔اس دوست نے جناب غلام احمد پرویز کی تازہ کتاب ''شاہکار رسالتؐ (عمر فاروقؓ) کا ذکر کیا کہ اسکا مطالعہ ہرعلم دوست کا فرض ہے۔اقبالؒ نے جس عجمی سازش کو خطوط و خطبات میں اشارۃً بیان کیا۔ شاہکار رسالتؐ اس کا تفصیلی مرقع ہے۔ بڑے سائز کے 528 صفحات کی اس کتاب میں چودھواں باب بہ عنوان (شعلہ عشق سیاہ پوش ہوا تیرے بعد) کے تقریباً سوصفحات عجمی سازش کی تفصیلات سے متعلق کئی ہزار تاریخی صفحات کا نچوڑ ہیں۔اس جامع باب کو ایک جامع کتاب کی خصوصیت حاصل ہے۔ ہر ضمنی عنوان کے تحت اس کی تفصیل موجود ہے۔کوئی سی تشنگی باقی نہیں رہتی۔اگر کوئی سوال ذہن میں ابھرتا ہے تو اس کا جواب انہی مباحث میں نکل آتا ہے۔حتیٰ کہ مطالعاتی طبیعت بھی کوئی نہ کوئی نیا نکتہ حاصل کر پاتی ہے۔

☆☆☆

جہاں تک پوری کتاب کا تعلق ہے' راقم نے ابھی تک اس کا مطالعہ نہیں کیا۔صرف چودھواں باب ہی بالاستیعاب پڑھا ہے۔ظاہر ہے کامل مطالعہ کے بعد ہی پوری کتاب پر نقد ونظر کا حق ادا ہوسکتا ہے۔لیکن چودھویں باب کے مطالعہ سے فارغ ہو کر راقم نے محسوس کیا کہ:

(1) پرویز نے عجم سے متعلق اقبالؒ کی ذہنی تگ ودو کو اپنے قلم کی معرفت' حقائق ومعارف کے تاریخی سانچہ میں ڈھالا اور اندھیروں کو اجالوں سے متعارف کیا ہے۔

(2) کتاب کے متعلق جیسا کہ عرض کیا قبل از مطالعہ رائے دینا مشکل ہے۔انشاءاللہ یہ فرض بھی جلد ادا ہوگا۔لیکن چودھواں باب تاریخ اسلام کے سیاسی وعلمی مصائب کی ایک تجزیاتی کہانی اور فی الجملہ عجم کے ہاتھوں اسلام پر کیا گزری کی' روداد ہے۔

(3) ہوسکتا ہے کسی دائرے میں یا کسی پہلو سے بعض اکابر علماء اور محقق فضلاء کو اساسی یا جزوی اختلاف ہو لیکن راقم نے پرویز سے متعلق اپنے مستعار نظریے میں' جو علمائے کرام کے فتوے کی بدولت ذہن پر نقش تھا' ایک خوشگوار تبدیلی محسوس کی۔فی الجملہ پرویز اپنی سیاسی شدتوں اور شخصی عصبیتوں کے باوجود اسلام کے تاریخی ذہن سے اسلام کی نشاۃ ثانیہ پر سوچتے ہیں۔ان کے دل میں سرگزشت اسلام کی ویرانیوں پر شدید ہلچل ہے اور وہ مسلمانوں کی نئی پود کے ذہنی اضطراب کو دور کرنے کے لئے عصری افکار کے لہجہ میں اسلام کی اساس پر ان سے ہمکلام

ہوتے ہیں۔

(4) محولہ باب کے مباحث ذیل کے عنوانوں پر ہیں۔ مثلاً۔

مسلمانوں کی طاقت کا راز کیا تھا؟ مسلمانوں سے قرآن چھڑا دینے کی باطنی تحریک کا آغاز اور اسکے نتائج۔ ایران و روما کی فتوحات اور ان کا فرق۔ یزدگر کے دستہ خاص کا قبول اسلام۔ فتح قادسیہ کے بعد ایرانی ردعمل' کوفہ و بصرہ میں ایرانیوں کی آبادکاری۔ عجمی سازش کے دو نمایاں محاذ۔ روایات کا طلسم خانہ۔ مسئلہ خلافت' حق وراثت کے سیاسی مضمرات' اہل ایران کا اپنے شہنشاہوں سے متعلق عقیدہ' عبداللہ بن سباء۔ رجعت کا عقیدہ۔ امامت کا منصوص تصور۔ کفر و ایمان کا خط امتیاز۔ مستند شیعی روایات۔ حضرت سلمان فارسیؓ۔ بنی امیہ اور بنو عباس کی رقابتیں۔ سادات و علوی۔ ابو مسلم خراسانی۔ برامکہ۔ فاطمین مصر۔ ویلمی حکومت۔ بغداد کا شیعی دور۔ عباسی سلطنت کا خاتمہ۔ ایرانیوں نے کتنی مدت بعد جنگ قادسیہ کا انتقام لیا۔ اسلام کی اساسات۔ مختلف فرقے اور ان کے ساختہ پرداختہ نظریے۔ محرف قرآن۔ باطنی معانی۔ محدث کا عقیدہ۔ کاشانۂ نبوت پر ذہنی آتشبازی۔ جامعینِ حدیث' سنیوں کے عقائد پر عجمی اثرات۔ جمعِ قرآن سے متعلق شکوک و شبہات۔ ناسخ و منسوخ کا عقیدہ۔ حدیث کا مقام۔ ابن جریر طبری کون تھے؟ طبری کی تاریخ۔ اسلام دین نہ رہا مذہب ہو گیا۔ آیۂ استخلاف کا مفہوم بدل گیا۔ مذہب و سیاست میں ثنویت۔ قانون سازی کے امکان کا خاتمہ۔ نظام سرمایہ داری کا احیاء۔ تقدیر کا عقیدہ۔ تقدیر سے متعلق روایات۔ تصوف کی حقیقت۔ ابن عربی۔ اساساتِ تصوف۔ باطنی علم کی سند۔ جہاد کے خلاف عجمی یلغار (افکار ملخص اوران عوارض و امراض کا علاج جو مسلمانوں کے وجود کو اجتماعی طور پر لاحق ہو چکے ہیں۔

(5) پرویز صاحب سے متعلق دینی حلقوں میں تسلسل و تواتر سے یہ فضا قائم رہی ہے کہ وہ منکر حدیث ہیں۔ لیکن انہوں نے جن شگفتہ الفاظ میں اپنے عقیدہ کی صراحت کی ہے اس کے بعد معاملہ صاف ہو جاتا ہے۔

راقم استفسار اً علماء سے یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہے کہ حضرت امام بخاریؒ نے چھ لاکھ احادیث جمع کیں اور کانٹ چھانٹ کے بعد صرف 2762 باقی رکھیں۔ امام مسلمؒ نے تین لاکھ مدون کیں اور باقی 4348 رہنے دیں۔ امام ترمذیؒ نے تین لاکھ اکٹھا کیں اور 2115 کو مرتب کیا۔ امام ابوداؤدؒ نے پانچ لاکھ فراہم کیں اور 4800 کو احاطہ تحریر میں لائے۔ ابن ماجہؒ نے چار لاکھ کا ذخیرہ کیا اور کتاب میں چار ہزار نقل کیں۔ امام نسائیؒ نے دو لاکھ کے خزانہ میں 4321 کو اپنے مجموعہ میں درج کیا۔ لیکن پرویز کی چھاڑ اس الزام میں کرنا کہ وہ احادیث کو تسلیم نہیں کرتے اس کی بنیاد کیا ہے؟ پرویز ان احادیث کو واقعی تسلیم نہیں کرتے جو قرآن پاک کی تعلیمات کے خلاف ہیں اور جنہیں سرور کائناتﷺ کے ارشادات سے کوئی سی نسبت ہی نہیں۔ ایسی احادیث خلافت راشدہ کے بعد بعض ملوکانہ مصلحتوں کے تحت وضع کی گئیں یا عجمی سازش نے اپنے سانچوں میں ڈھال کے انہیں رسول اللہﷺ سے منسوب کیا۔ ایک مبحث یا مسئلے کو جو

تاریخ اسلام کا عصری مضمون ہے اورنئی پود کے دماغ اس سے دوچار ہیں، واقعہ یہ ہے کہ ہمارے مقتدر علماء۔ اپنی یلغار سے اس کو ٹال نہیں سکتے اور نہ یہ مسئلہ یا مبحث کفرواسلام سے متعلق ہے۔ نئی پود کی سوچ کیا ہے؟ پرویز نے اسی کی نمائندگی کی اور اپنی ذہنی جدوجہد سے اسلام کے دامن سے عجمی گرد جھاڑی ہے۔ بعض طبیعتوں کو شاید یہ گوارا نہیں لیکن علم کو غصہ سے روکنا کسی حالت میں بھی جائز نہیں۔

(6) پرویز صاحب نے اسی باب میں اپنے عقیدے کی وضاحت کی ہے۔ فرماتے ہیں:

''میں نہ سنی ہوں نہ شیعہ۔ میرا تعلق کسی بھی فرقہ سے نہیں۔ قرآن کریم کا طالب علم ہوں۔ اور میرا عقیدہ بلکہ ایمان یہ ہے کہ خدا کی یہ کتاب عظیم دین میں سند و حجت ہے اور حق و باطل کے پرکھنے کا واحد معیار۔ کوئی عقیدہ، نظریہ، تصور، مسلک، مشرب، جو اس کے خلاف جاتا ہو میرے نزدیک درست نہیں، خواہ اس کی نسبت کسی طرف بھی کیوں نہ کی گئی ہو۔ اگر اس قسم کا کوئی عقیدہ بزرگان سلف میں سے کسی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے خواہ ان کا تعلق کسی فرقے سے ہو تو ان حضرات کے احترام کے پیش نظر میں یہی کہتا ہوں کہ ان کی طرف اس کی نسبت صحیح معلوم نہیں ہوتی۔ انہوں نے ایسا نہیں کہا ہوگا۔'' (صفحہ 499)۔

ان الفاظ کے بعد پرویز کی شرعی چھتاڑ لائق اعتنا نہیں رہتی۔ ایک مسلمان کے لئے قرآن کے مقابلہ میں کسی بڑی سے بڑی شخصیت کا مختلف المعنی قول حجت نہیں بلکہ س سے اِبا ہر مسلمان کا فرض ہے۔

''شاہکار رسالت'' مضمون و موضوع کی عمدگی کے علاوہ کتابت وطباعت کے اعتبار سے بھی ایک اعلیٰ کتاب ہے۔ اس کا مطالعہ نظر وفکر کی بہت سی راہیں کشادہ کرتا اور اسلام کے مثالی نظامِ ریاست کا جیتا جاگتا مرقع ہے۔ علامہ اقبالؒ کے الفاظ میں کہ عمر بھر وہ اس کی آرزو کرتے رہے، اس کتاب کو مسلمانوں کی ذہنی سوانح عمری کہا جائے تو صحیح ہوگا۔

اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف میں

پرویز صاحب سے ہمیں خود کئی دوائر میں اختلاف ہے لیکن اس کتاب کے مطالعہ سے ہمارے ذہن میں ان کے لئے احترام کی ایک خاص فضا پیدا ہوگئی ہے۔ اقبال عجم کے متعلق جو چاہتے تھے شاہکار رسالت ان کی اسی خواہش کا علمی مرقع اور تاریخی شہ پارہ ہے۔

پرویز کے خلاف فتوے واپس لیجئے۔

ایڈیٹر چٹان کو آج تک جناب غلام احمد پرویز سے ذاتی نیاز حاصل نہیں ہو سکا۔ کبھی ان سے بالمشافہ ملاقات نہیں ہوئی۔ لیکن ان کی عظیم کتاب شاہکار رسالتؐ پڑھنے کے بعد ایڈیٹر چٹان کو یقین ہو چکا ہے کہ اپنی اس کتاب کی بدولت پرویز بارگاہ رسالتؐ میں سرخرو ہو کر باریاب ہوں گے اور یہ کتاب ان کے لئے توشۂ آخرت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ان فضلاء کے ساتھ انہیں جگہ دیں گے جن کے دل اسلام کے لئے ہر دور میں دھڑکتے رہے ہیں۔

غلطیاں ہر انسان سے ہوتی ہیں۔ ہو سکتا ہے صلحائے امت کے نزدیک کسی مقام پر ان کے قلم کو ٹھوکر لگی ہو۔

آخر وہ ایک انسان ہیں۔ لیکن ان کے سچا مسلمان ہونے میں کوئی شک نہیں۔ وہ قرآنی فکر کی ایک فاضل شخصیت ہیں۔ علماء سے دردمندانہ گزارش ہے کہ وہ محض فروعات کا شکار نہ ہوں۔ شاہکار رسالت کا مطالعہ کریں اور ضرور کریں۔

ان کی بلند فکر کے نزدیک پرویز صاحب سے کبھی تفقہ فی الدین میں کوئی چوک ہوئی ہے تو انہیں محبت سے مطلع کریں تا کہ ایک سچا دل اپنی ''کوتاہی'' کا جائزہ لے سکے۔۔ حقیقت یہ ہے کہ پرویز بھی افکار اسلام کی کربلا میں حسینی قافلہ کی ایک آواز ہیں۔ علماء کو ان سے متعلق اپنا فتویٰ واپس لینا چاہئے۔ (چٹان' مورخہ 13/5/1974)۔

قرآن حکیم کے طالب علموں کے لیے خوشخبری

علامہ غلام احمد پرویزؒ کے سات سو سے زائد دروسِ قرآنی پر مبنی تفسیری سلسلہ کے تحت بزمِ طلوعِ اسلام لاہور کی طرف سے مندرجہ ذیل تفسیری کتب کی اشاعت الگ الگ جلدوں میں ہو چکی ہے۔ یہ جلدیں بڑے سائز کے بہترین کاغذ پر خوبصورت طباعت اور مضبوط جلد بندی کے ساتھ خصوصی رعایتی ہدیوں پر دستیاب ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

نام کتاب	سورہ	صفحات	رعایتی ہدیہ	نام کتاب	سورہ	صفحات	رعایتی ہدیہ
سورہ الفاتحہ	(1)	240	120/-	سورہ روم' لقمان' السجدہ	(30,31,32)	444	250/-
سورہ الفاتحہ (سٹوڈنٹ ایڈیشن)	(1)	240	70/-	سورہ یٰسین	(36)	164	100/-
سورہ النحل	(16)	334	150/-	29واں پارہ (مکمل)	----	541	250/-
سورہ بنی اسرائیل	(17)	396	175/-	30واں پارہ (مکمل)	----	624	250/-
سورۃ الکہف و مریم	(18-19)	511	200/-				
سورہ طٰہٰ	(20)	416	180/-				
سورۃ الانبیآء	(21)	336	150/-				
سورۃ الحج	(22)	380	180/-				
سورۃ المؤمنون	(23)	408	200/-				
سورۃ النور	(24)	263	150/-				
سورۃ الفرقان	(25)	389	200/-				
سورۃ الشعرآء	(26)	453	230/-				
سورۃ النمل	(27)	280	170/-				
سورہ القصص	(28)	334	200/-				
سورہ عنکبوت	(29)	387	220/-				

ان خصوصی رعایتی ہدیوں پر مزید کوئی کمیشن / رعایت نہیں دی جاتی۔ خرچہ ڈاک اس کے علاوہ ہوگا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وارثانِ منبر ومحراب کی خدمت میں

مرحوم آغا شورش کاشمیری نے 7 جون 1971ء کو ایک اداریہ تحریر فرمایا تھا جس کا عنوان تھا۔ ''وارثانِ منبر ومحراب کی خدمت میں' شرعی صورتوں سے زیادہ اس وقت شرعی سیرتوں کی ضرورت ہے!'' اس اداریہ کو مؤقر جریدہ چٹان نے اپنی اشاعت بابت 23 اپریل 1979 میں' دوبارہ چھاپا۔ اسے اس جریدہ کے شکریہ کے ساتھ قارئینِ طلوع اسلام کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ مولوی صاحبان' آغا شورش مرحوم کو اپنے مخالفین کی صف میں بہرحال شمار نہیں کرتے تھے۔ اس لئے ہمیں امید ہے کہ ان کی زبان سے یہ حقائق پڑھ کر ہی ان حضرات کو ناگوار نہیں گزرے گی۔

ابھی پچھلے دنوں لاہور میں دو تین سیرت کانفرسیں ہوئی ہیں۔ ان میں بعض قابلِ احترام اور جید و متبحر علماء شریک ہوئے۔ سب نے اپنے موضوع پر نہایت مرصع تقریریں کیں۔ ان کانفرنسوں میں ہم نے تین باتیں پائیں۔

پہلی بات' شرکاءِ اجلاس (سامعین) کی اکثریت ان لوگوں پر مشتمل تھی جو اسلام کے موروثی پیروکار ہیں اور وہ تذکرۂ سیرت کی ان محفلوں کو ثوابِ دارین پر محمول کرتے ہیں لیکن اسلام کا معاشرہ سے مطالبہ کیا ہے اس سے قطعاً ناواقف ہیں۔

دوسری بات' اکثر تقریریں وعظ کی حیثیت رکھتی تھیں۔ ان کا عصرِ حاضر اور اسلام یا دعوتِ رسالت اور عصری سیاست کے مسائل سے کوئی تعلق نہ تھا۔ عام خیال یہ ہے اور ہے بھی بڑی حد تک قرینِ صداقت کہ ہمارے یہ علماء ''قرآن ہر زمانے کے مطابق بولتا ہے'' کی سچائی سے قطعاً بے بہرہ ہیں۔ یہ علماء سے کہیں بڑھ کر اسلام کے داستان گو ہیں۔ ان کا بلکہ کسی بھی روایتی عالم دین کا مسلمانوں پر کوئی اجتماعی اثر نہیں ہے۔

تیسری بات' کرخندار سیاستدانوں کے نزدیک چٹان کا واحد جرم یہ ہے کہ وہ اسلام کا نام لیتا اور اس کا غلبہ چاہتا ہے۔ لیکن شخصی احترام کے باوجود ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ان علماء کی ننانوے فیصد اکثریت ایسی ہے کہ ہمارے دل میں ان کے لئے دینی احترام مفقود ہے۔۔۔ ہم اسلام سے براہِ راست آگاہ نہ ہوتے تو ان بزرگوں کا

وجود ہی اسلام سے برگشتہ کرنے کے لئے کافی تھا۔نئی نسلیں اسلام سے کٹ رہی ہیں۔ اس کی وجہ خود ہمارے علماء (وارثانِ منبر ومحراب) کا وجود ہے۔ یہ کس سنتِ نبویؐ کی تلقین کرتے ہیں؟ جس پر خود عمل نہیں کرتے! شرعی صورتیں بنانا ہی تو اسلام نہیں' شرعی سیرتیں بنانا بھی اسلام ہے اور حقیقی اسلام! لیکن یہ اسلام کتنوں میں ہے؟ اس شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیوند لگے ہوئے کپڑوں کا ذکر کرتے ہوئے حیاء نہیں آتی! جو وضع وقطع کے لحاظ سے دولہا بن کر پچیس سے پچاس ہزار کے موٹر پر سوار ہو کر محفلِ وعظ میں آتا' فاقۂ رسالتؐ کی حکایت چھیڑتا اور ریشم وحریر پہنتا ہے۔ وہ لوگ اخلاقِ نبویؐ کا سبق کیا دے سکتے ہیں جن کی زبان شریعت ترجمان خرافات سے لدی پھندی ہوتی ہے؟ وہ نسلیں کیونکر ان سے مطمئن ہوسکتی ہیں جنہیں نانِ جویں تک میسر نہیں لیکن جنہیں معلوم ہے کہ حضور ﷺ کے ستو اور کھجور کا ذکر کرنے والے پورا مرغ ہضم کر جاتے ہیں اور جن کے دسترخوانوں پر کئی کئی کھانے ہوتے ہیں۔ہم کسی فردِ واحد کسی متعین جماعت یا کسی شخصی کردار کو سامنے رکھ کر یہ بحث نہیں کر رہے اور نہ یہ مقصودِ بحث ہی ہے ہم جو کچھ لکھ رہے ہیں ایک اجتماعی سرشت اور ایک خاص ذہنیت سے متعلق لکھ رہے ہیں۔

مسجدوں میں ہم نے دیکھا ہے کہ لوگ جس کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں اس پر منفی تبصرے کرتے' خطبہ لمبا ہو جائے تو پھر مذاق اڑاتے ہیں حتیٰ کہ عیدین میں جس کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں اس کے خطبے یا دعاؤں کی نوعیت پر ایں وآں کے چھینٹے اڑاتے ہیں۔ہم پچھلے دنوں دو تین دوستوں کے جنازہ میں شریک ہوئے تو جنازہ کی نماز میں امام سے متعلق بعض لوگوں کو کسلمند پایا۔ انہیں یہ بھی گوارا نہ تھا کہ امام نماز جنازہ سے متعلق لوگوں کو بتائے۔ بس جلدی کرو تاکہ ہم جائیں۔ وہ نسل جو پچھلے دس پندرہ برس میں جوان ہوئی ہے اس کی ایک خاصی تعداد متنفر ہے۔ایک بڑی تعداد بیزار ہے اور ایک غالب تعداد ہے کہ تاریخِ اسلام میں ان بزرگوں کا وجود (ان کے نزدیک) گورکن سے زیادہ کوئی مرتبہ یا معنی نہیں رکھتا!

حقیقت یہ ہے کہ ان کی وجہ سے مذہب کا احترام ختم ہو گیا اور اب مذہب کا احترام نہ ہونے کے باعث ان کا احترام باقی نہیں رہا۔ دکانیں رہ گئی ہیں مال نہیں رہا' جسم رہ گیا ہے' روح نہیں رہا' ہم وہ لوگ ہیں جو محکمات (متشابہات) پر ایمان رکھتے ہیں۔ متشابہات کیا ہیں؟ خدا کی ذات وصفات ملائکہ کا وجود ونبوت' مرنے کے بعد زندگی' عذاب وثواب' دنیا کی ابتداء پیدائش (کن فیکون) اور عالم آخرت کے احوال و واردات وغیرہ۔ لیکن جن وارثانِ منبر ومحراب کا ہم نے مشاہدہ وتجربہ کیا ہے ان میں دو چار گنے چنے اکابر کو چھوڑ کر باقی جمِ غفیر عالمِ غیب (غیر محسوسات) ایک طرف رہا عالمِ شہادت (محسوسات) کا

یقین بھی نہیں دلا سکتا۔

ایک مسلمان کا سفرِ زندگی اس دنیا میں ختم نہیں ہو جاتا۔ بلکہ موت' حیاتِ اُخروی کی ابتدا ہے۔ ہم ایسوں کی واحد آس حضورؐ سرورِ کائنات کی رحمتہ اللعالمینی ہے۔ ہمارا شرف یہ ہے کہ ہم ان کی امت میں ہیں' ہمارے پاس ورثہ انبیاءنہیں' نہ ہم رسولؐ کے وارث ہیں' نہ ہم نے تفسیر وسیرت کی دوکان لگائی ہے ہم کسی مدرسہ کے شیخ الحدیث نہیں' نہ ہماری زندگی تقویٰ وعلم کا سراپا ہے ؎

نہ قاضیم نہ مدرس نہ محتسب نہ فقیہہ

لیکن ہم جانشینانِ مسندِ رسالتؐ اور منبر ومحراب سے نہایت ادب کے ساتھ یہ عرض کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ اسلام نئے فلسفوں کی کربلا میں نواسۂ رسولؐ کی طرح کلمہ گوؤں کی شقاوت کا شکار ہے۔نئی نسل کی دینی حسیات معریٰ ہوگئی ہیں اوراس کی وجہ صرف یہ ہے کہ آخرت کا خوف باقی نہیں رہا۔اورآخرت کا تصور ہی ایک ایسی چیز ہے جواخلاق پیدا کرتا ہے۔جن قوموں میں اخلاق نہیں وہ آتشِ دوزخ کی طرح تپتی اور چراغِ گورغریباں کی طرح بجھ جاتی ہیں۔

یہ اداریہ ایڈیٹر کے قلم سے ہے جو کچھ لکھا سوچ سمجھ کرلکھا اورانشراحِ صدر کے ساتھ لکھا۔حقیقت یہ ہے کہ دوسال میں علماء کے زہد وورع کوان کے قول وقراراور تقویٰ وعلم کوان کے زبان و بیان کی ترازو میں تولا تو عقیدت کا برائے نام پرتو بھی ختم ہوگیا۔

ہم اپنے اس لازوال یقین کا اعادہ کئے بغیرنہیں رہ سکتے کہ علماء کی موجودہ کھیپ کا نوے فیصد عنصر نئی نسلوں کو اسلام کی دعوت دینے کا اہل ہی نہیں۔

ایڈیٹر چٹان توان کے قرب پرجہنم کی آگ کو ترجیح دیتا ہےاللہ تعالیٰ اپنے عذاب سے بچائے۔

☆☆☆

طلوع اسلام

آغاز شورش مرحوم نے یہ کچھ 1971ء میں کہا تھا۔اگروہ آج زندہ ہوتے تو:

؎ کیا جانئے کیا کہتے۔کیا دیکھتے۔کیا کرتے!

نظریۂ خیر

ادارہ طلوع اسلام کے چیئرمین ڈاکٹر انعام الحق صاحب کا پی۔ایچ۔ڈی کا مقالہ بعنوان ''نظریۂ خیر' فلسفۂ اخلاق اور قرآن کی روشنی میں'' شائع ہوگیا ہے۔یہ فکرانگیز تصنیف ادارہ طلوع اسلام 25 بی' گلبرگ 2' لاہور سے دستیاب ہے۔ 534 صفحات کی اس کتاب کی قیمت -/300 روپے ہے۔50 فی صد کی خصوصی رعایت کے بعد صرف -/150 روپے میں علاوہ ڈاک خرچ ادارہ طلوع اسلام سے دستیاب ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ڈاکٹر انعام الحق، اسلام آباد

میانہ روی کی زندگی

ارسطو نے نظریہ میانہ روی کو زندگی میں سعادت اور خیر کا موجب گردانا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ: ''ہر نیکی دو بدیوں کے درمیان واقع ہوتی ہے۔ ہر معاملہ میں افراط بھی ہوتی ہے اور تفریط بھی۔ ان میں درمیانی راستہ (وسط زریں) کا تعین کسی لگے بندھے قاعدے، کلیہ سے نہیں ہوتا۔ ہر فرد کے لئے وسط زریں مختلف حالتوں میں مختلف جگہوں پر واقع ہوتا ہے۔ اپنے اس نظریہ وسط زریں یعنی میانہ روی، جسے وہ توازن کا نام بھی دیتا ہے مثالیں دے کر وضاحت کی ہے۔

افراط	وسط زریں	تفریط
1- تہور	شجاعت	بزدلی
2- شہوت پرستی	عصمت	بے حسی
3- اسراف	سخاوت	بخل
4- غرور	خودداری	عجز
5- شرمیلا پن	حیا	بے شرمی
6- گنوار پن	بذلہ سنجی	ابلہ پن
7- قدامت پسندی	روشن خیالی	آزاد خیالی

ارسطو انہی وسط زریں کے اصولوں پر مبنی انسان کامل کا تصور یوں پیش کرتا ہے۔

1- وہ اپنے آپ کو خواہ مخواہ خطروں میں نہیں ڈالتا۔ کیونکہ بہت کم چیزیں ایسی ہیں جن کی وہ اس قدر پروا کرتا ہو کہ ان کی خاطر خطرہ مول لے لیکن نازک آزمائشوں میں وہ اس بات پر رضا مند ہوتا ہے کہ اپنی جان قربان کر دے۔

2- وہ دوسروں کے کام آتا ہے لیکن خود دوسروں کا احسان لیتے ہوئے اسے ننگ و عار محسوس ہوتی ہے۔

3- اپنی پسندیدگی اور ناپسندیدگی کا کھلم کھلا اظہار کرتا ہے۔ صاف بات کرتا ہے اور اعمال بھی باتوں کے مطابق ہوتے ہیں۔ اپنے جذبات کو چھپانا اور حق گوئی سے باز رہنا بزدلی سمجھتا ہے۔

4- دوستی کے مراسم سے قطع نظر وہ دوسروں کے ماتحت زندگی بسر نہیں کرسکتا کہ یہ غلام کی صفت ہے۔

5- بغض سے وہ مبرا ہوتا ہے جو لوگ اسے نقصان پہنچاتے ہیں وہ ان سے انتقام نہیں لیتا بلکہ اپنے دکھ کو بھی بھول

جاتا ہے۔

6- وہ باتونی نہیں۔ اسے اپنی تعریف کا شوق نہیں نہ دوسروں کی مذمت کی خواہش۔ وہ لوگوں کو برا بھلا نہیں کہتا۔ دشمنوں کی مخالفت کرنا مقصود ہوتی ہے تو منہ پر کرتا ہے۔

7- اس کی چال باوقار ہوتی ہے۔ اس کی آواز گھمبیر' اس کے بول پنے تلے۔ وہ عجلت نہیں کرتا کیونکہ بہت تھوڑی چیزیں اسے متاثر کرتی ہیں وہ جوش میں نہیں آتا کیونکہ اس کے خیال میں کوئی ایسی چیز اتنی اہم نہیں کہ آدمی کو جوش دلا سکے۔

8- دنیا میں جو واقعات ہوتے ہیں وہ انہیں وقار شان اور سلیقے سے برداشت کرتا ہے جیسے بھی حالات ہیں ان سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

9- وہ اپنا بہترین دوست ہوتا ہے اور تنہائی میں خوش رہتا ہے۔ درآنحالیکہ جس شخص میں کوئی فضیلت یا استعداد نہ ہو' وہ اپنا بدترین دشمن ہوتا ہے اور تنہائی سے ڈرتا ہے۔

10- وہ خوددار ہوتا ہے۔

11- وہ اپنی خوبیوں کو کم ترین سمجھتا ہے۔

12- جو نفرت کا مستحق ہے اس سے نفرت کرتا ہے۔

13- انتہائی درجہ کا فیاض ہے اور اس وجہ سے سب سے زیادہ عزت اور ذلت کا خیال رکھتا ہے۔

14- وہ کسی کے عمل کے جواب میں بھی اسے اس کے عمل سے بھی زیادہ فائدہ پہنچاتا ہے۔

15- وہ کبھی کسی سے کچھ نہیں مانگتا اور اگر مانگنے کی ضرورت پڑے تو بہت احتیاط کرتا ہے لیکن دوسروں کو کچھ دینے کے لئے ہمیشہ تیار وآمادہ رہتا ہے۔

16- وہ کھل کر آزادی سے بات کرتا ہے کیونکہ اسے جھوٹ سے نفرت ہے۔

17- وہ سچ بولنے کا قائل ہے سوائے اس کے کہ جب کبھی وہ لوگوں کے ساتھ طنزیہ انداز میں بات کررہا ہو۔

18- وہ کسی کی مبالغہ آمیز تعریف نہیں کرتا کیونکہ اس کی نگاہ میں بہت ہی کم چیزوں کو عظیم سمجھا جاسکتا ہے۔

19- فضول' یاوہ گوئی سے پرہیز کرتا ہے کیونکہ وہ نہ تو اپنے متعلق کوئی بات کرتا ہے اور نہ ہی دوسروں کے متعلق۔

20- اسے کسی سے نہ تو اپنی تعریف وتوصیف کی تمنا ہے اور نہ کسی کی الزام تراشی کی پروا۔

ارسطو کا انسان کامل (فیاض) انسان اس طرح کا ہوتا ہے کیونکہ اس سے کم تر شخص غیرضروری انکسار والا اور اس سے بڑھ کر ہونا مغرور ہونا ہے۔

قرآن کریم نے میانہ روی کی زندگی گذارنے والوں کے لئے مقتصد کا لفظ لایا ہے۔ راغب نے اس کی وضاحت میں مفردات القرآن میں لکھا ہے کہ الاقتصاد دوطرح کا ہوتا ہے۔ ایک مطلقاً محمود ہوتا ہے جس میں افراط و تفریط کے دو سرے ہوتے ہیں' ان کو چھوڑ کر درمیانی راہ اختیار کی جاتی ہے' جیسے و اقتصد فی مشیک

(31:19)۔ اپنی چال میں میانہ روی اختیار کرو۔ یہ محمود ہے۔ اس لئے کہ رفتار میں نہ تیزی اچھی ہوتی ہے نہ سستی۔ لیکن دوسری قسم کے اقتصاد کے دو سروں میں سے ایک محمود اور دوسرا مذموم ہوتا ہے مثلاً عدل اور ظلم کے بین بین رہنا۔ ایسے شخص کو جو ان دو سروں کے درمیان آتا جاتا رہے مقتصد کہا جائے گا۔

راغب نے جو کچھ کہا ہے وہ ذرا وضاحت طلب بھی ہے اور غور طلب بھی۔ (مثلاً) ایک طرف اسراف ہے اور دوسری طرف بخل۔ یہ دونوں سرے (Extremities) مذموم ہیں۔ محمود راستہ ان دونوں کے بین بین ہے۔ یعنی جود وسخا۔ نہ بے جا اور فضول خرچ کرنا اور نہ ہی سب کچھ اپنی ذات کے لئے رکھ چھوڑنا۔ یہ اقتصاد (درمیانہ روی) قابلِ تعریف ہے۔ اب دوسری مثال لیجئے۔ ایک طرف حق ہے اور دوسری طرف باطل۔ ان میں سے صرف ایک سمت (حق) ہی محمود ہے۔ دوسری سمت (باطل) محمود نہیں۔ لہٰذا ان دونوں کے بین بین چلنا خوبی کی بات نہیں۔ قابل ستائش وہی ہے جو حق پر چلے‘ نہ وہ جو حق اور باطل کی درمیانی راہ چلے۔ حق اپنے مقام پر اٹل ہوتا ہے۔ جو شخص اس سے ایک انچ بھی ادھر ادھر ہٹ جاتا ہے وہ باطل پر چلا جاتا ہے۔

ایک اور مثال لیجئے۔ ایک طرف عدل ہے اور دوسری طرف ظلم ہے۔ قابلِ ستائش وہ ہے جو عدل پر چلے لیکن ایک شخص عدل اور ظلم کی درمیانی راہ چلتا ہے۔ یعنی کبھی عدل کرتا ہے کبھی ظلم کرتا ہے۔ یا نہ عدل کرتا ہے نہ ظلم کرتا ہے۔ ایسے معاملات میں (Indifferent) رہتا ہے۔ اس شخص کو اگر عدل کے پیمانہ سے ماپا جائے تو اس کا یہ عمل محمود نہیں۔ لیکن اگر ظلم کے پیمانہ سے ماپا جائے تو یہ بہر حال‘ ظالم سے بہتر ہو گا۔ اس کی مثال ہمیں سورۃ فاطر میں ملتی ہے جہاں کہا ہے کہ ہم نے وراثت کتاب کے لئے اپنے بندوں میں سے ایک قوم کو چن لیا۔ فمنھم ظالم لنفسہ و منھم مقتصد۔ و منھم سابق بالخیرات...... (35:32)۔ ”سو ان میں سے کوئی وہ ہے جو اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے۔ کوئی میانہ رو ہے اور کوئی نیکیوں میں سبقت کرنے والا ہے“۔ (نیز دیکھئے 5:66)۔ ظاہر ہے کہ ان میں تین گروہوں میں سے قابل ستائش (اور قرآنی معیار کے مطابق) سابق بالخیرات کا گروہ ہے اور ظلم کرنے والے بدتر ہیں لیکن ان کے بین بین ایک طبقہ ہے جو نہ بھلائی کے کاموں میں آگے بڑھتا ہے اور نہ ہی اس کا شمار گروہ اول میں ہوتا ہے۔ یہ طبقہ‘ گروہ اول سے ذرا اونچا ہوگا اور تیسرے گروہ سے بہر حال نیچے لیکن اس کی اس روش کو قرآن کریم کی رو سے قابل ستائش نہیں کہا جائے گا۔ قرآنی معیار پر وہی پورے اتریں گے جو ”سابق بالخیرات“ ہوں گے۔

ان مثالوں سے واضح ہے کہ یہ جو عام طور پر اسلام کے متعلق مطلقاً کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ اعتدال کا راستہ ہے اور

امۃ وسطاً وہ قوم ہے جو درمیان کی راہ چلتی ہے، تو یہ صحیح نہیں۔ اسلام، حق کا راستہ ہے، نہ کہ حق و باطل کی درمیانی راہ اور امۃ وسطاً، حق پر چلنے والی جماعت ہے، نہ کہ حق و باطل اور عدل وظلم کے بین بین چلنے والی جماعت۔

الوسط کے معنی ہیں ہر چیز کا درمیانی حصہ۔ وہ نقطہ جو دونوں اطراف سے برابر فاصلے پر ہو۔ قرآن کریم میں امت مسلمہ کے متعلق ہے۔ وکذالک جعلنٰکم امۃ وسطاً لتکونوا شھداء علی الناس (2:143)۔ اس طرح ہم نے تمہیں ایک امت وسط بنایا ہے جس کا فریضہ یہ ہے کہ وہ تمام نوع انسانی کے اعمال کی نگرانی کرے۔ اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے ضروری ہے کہ اس قوم کو بین الاقوامی حیثیت حاصل ہو اور وہ ہر قوم سے برابر فاصلے پر (Equidistant) ہو۔ یعنی نہ کسی کی طرف جھکی ہوئی اور نہ کسی سے کھنچی ہوئی۔ اس کی نگاہوں میں سب برابر ہوں، جس طرح دائرے کے مرکز سے محیط کا ہر نقطہ برابر فاصلے پر ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ پوزیشن اس قوم کو حاصل ہو سکتی ہے جو عدل اور انصاف کے راستے سے ذرا بھی ادھر ادھر نہ ہٹے۔ اس قسم کی قوم صحیح معنوں میں اقوام عالم کے اعمال و افعال کی نگران اور محتسب ہو سکتی ہے۔ لہٰذا امت وسط سے مراد ایسی قوم ہے جسے بین الاقوامی اور مرکزی پوزیشن حاصل ہو۔ جو تمام اقوام کے افعال و حرکات کی نگران ہو اور بین الاقوامی معاملات کو پورے پورے عدل و انصاف سے سلجھائے۔ قرآن کریم نے یہ مقام متعین کیا تھا جماعت مومنین کا۔

قرآن کریم نے ارسطو کے اس نظریہ کی تائید کی ہے کہ نیکی دو بدیوں کے درمیان واقع ہوتی ہے۔ جہاں دونوں سمتیں مذموم ہوں (جیسے اسراف اور بخل کی مثال ارسطو نے دی ہے) وہاں اسلام درمیانی راہ کی تعلیم دیتا ہے کیونکہ وہی راہ محمود ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی قرآن سے ہمیں مزید ہدایت حاصل ہوتی ہے کہ جہاں صرف ایک ہی سمت محمود ہو، جیسے کہ حق و باطل یا عدل اور ظلم کی مثال میں ہم نے دیکھا، تو ان میں صرف ایک سمت (حق اور عدل) ہی محمود ہوتی ہے اور ان میں درمیان کی راہ ڈھونڈنا ایک مذموم کوشش ہی ثابت ہوگی۔

ایک عظیم قرآنی خزانہ

قرآن مجید پر غور و فکر کرنے والوں کے لئے خوشخبری

مفکرِ قرآنِ مجید علامہ پرویزؒ صاحب کی زندگی بھر کی قرآنی بصیرت کو DVD پر دیکھا اور سنا جا سکتا ہے۔

قیمت 20 کراؤن فی سی۔ڈی علاوہ ڈاک خرچ میں طلب کیجئے۔

سی ڈی اور کتب کی خریداری

☆ بیرون ملک bazmdenmark@gmail.com

☆ اندرون ملک، فون: 5753666 42 92+، ای میل: trust@toluislam.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غلام باری، مانچسٹر

نظریۂ زندگی

کلمہ طیّب ایک نظریۂ زندگی (Ideology) ہے جس کی مثال سورۃ ابراہیم میں ہمیشہ خوشگوار پھل دینے والے شجرِ طیّب سے دی گئی ہے۔ لا الٰہ الا اللہ کا مطلب ہے کہ اللہ کے سوا کوئی ایسا نہیں جسے اقتدار کا حق حاصل ہو There is no Sovereign except Allah اختیار و اقتدار کا واحد مالک اللہ ہے۔ قرآن کریم میں جہاں لفظ الٰہ! اللہ کے لئے آیا ہے وہاں اس کے معنی ہیں صاحبِ اقتدار۔ سورۃ الزخرف میں ہے کہ: وَهُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَاءِ إِلَٰهٌ وَفِی الْأَرْضِ إِلَٰهٌ (43:84)۔ زمین و آسمان یعنی ساری کائنات کی زمامِ اقتدار اللہ کے کنٹرول میں ہے۔ اشیائے کائنات اس کے نظام و قوانین کے مطابق سرگرمِ عمل ہیں۔ چونکہ انسان بھی کائنات کا جزو ہیں اس لئے انسانوں کو بھی اپنی تمدنی۔ عمرانی۔ عائلی۔ اقتصادی۔ معاشی۔ معاشرتی اور سیاسی زندگی اللہ کی طرف سے وحی کے ذریعے عطا کردہ نظام و قوانین کے تابع بسر کرنی چاہئے۔ اس مقصد کے لئے انبیاء کرامؑ کا فریضہ اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچانا اور اس پیغام کے مطابق یعنی اللہ کے قوانین کے مطابق ایک اجتماعی نظام، اسلامی حکومت (دین) قائم کرنا تھا (42:13) تاکہ عوام، رسولؑ (سربراہانِ اسلامی حکومت) کی اطاعت کرتے ہوئے اللہ یعنی اللہ کے قوانین کی محکومیت اختیار کریں۔ اللہ کی عبادت کے یہی معنی ہیں۔ اطاعت کسی زندہ محسوس اتھارٹی کی کی جاتی ہے۔ اطاعت کرنا (Obey) کسی حکمران (Ruler) یا حکومت (Government) کے فیصلے اور حکم (Order:Command) کی تعمیل کرنا ہے۔ یعنی اس کے وضع کردہ قوانین کے مطابق عمل پیرا ہونا ہے۔ مثلاً اس ملک میں یہاں کی حکومت (ان کے دین) کے قانون کے مطابق، مسجد کی چھت یا منارہ پر لاؤڈ سپیکر نصب کرنے کی ممانعت، کچھ عرصہ سے جمعہ کے روز خطیب کا اردو کی بجائے انگلش میں تقریر کرنا، سڑک پر بائیں ہاتھ گاڑی چلانا، گھر کا کونسل ٹیکس، دوکان کا بزنس ریٹ اور کام کاج سے متعلق ٹیکس ادا کرنا، ووٹ کے لئے اپنے آپ کو رجسٹر کروانا،

نیشنل انشورنس ادا کرنا' میڈیکل کی غرض کے لئے ڈاکٹر کے ہاں رجسٹر ہونا' رجسٹریشن آفس جا کر نومولود کا برتھ سرٹیفیکیٹ بنوانا' مردے کا ڈیتھ سرٹیفیکیٹ حاصل کرنا اور میت کو دفن کرنے کی خاطر قبرستان کے گیٹ پر آفس سے اجازت لینا' نکاح کے لئے دولہا دولہن کا رجسٹریشن آفس جانا' اپنی بیوی کی رضامندی کے بغیر ''خلوت'' سے اجتناب' طلاق کے لئے کورٹ سے رجوع کرنا وغیرہ وغیرہ حکومتِ برطانیہ کی اطاعت ہے' (کہا جاتا ہے کہ یہ حکومت' Rule of the laws) قوانین کی حکومت ہے لیکن یہ قوانین تو بہرحال انسانوں کے خود ساختہ ہیں اس لئے ان قوانین کی اطاعت سے عوام انسانوں کے مطیع ومحکوم ہیں' خدا کے نہیں)۔ بعینہٖ نظامِ خداوندی یعنی اسلامی حکومت میں پبلک لاء اور پرسنل لاء الگ الگ نہیں ہوتے۔ قرآن کی رو سے حج' آل ورلڈ مسلم سالانہ کانفرنس' عندالضرورت سال میں متعدد بار عمرہ کے اجتماع' رمضان کے روزے سالانہ ٹریننگ کورس' مشاورت اور نظم ونسق کے لئے نظامِ الصلوٰۃ جس کا محسوس مظاہرہ اور اقرار باجماعت نماز میں رکوع و سجود کے ذریعے ہوتا ہے اور بیت المال سے زکوٰۃ کا صَرف یہ سب کام نظامِ خداوندی' قرآنی نظام یا اسلامی حکومت کہہ لیجئے کی طرف سے ہوتے تھے۔ اس لئے یہ تمام انفرادی نہیں اجتماعی کام تھے نیز قرآن کریم میں مومنین کی تمام دعائیں اجتماعی ہیں ان میں ایک بھی انفرادی نہیں لیکن نظامِ خداوندی کے باقی نہ رہنے کی وجہ سے اللہ اور رسولﷺ کی اطاعت کی بجائے مسلمانوں کے اپنے آزاد ممالک میں مرشدین طریقت (مسلکِ تصوف) اور دیگر مذہبی اجارہ داروں کی غلط تعلیم اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے ہر کام کے لئے بے ڈھنگی چال ہے۔ شتر بے مہار کی طرح ان کی کوئی کل سیدھی نہیں۔ غصے میں آکر تین دفعہ طلاق طلاق طلاق کہہ کر ''ماں ماری دی'' چھٹی کر دی جاتی ہے۔ ہوش پکڑنے پر گر کوئی میاں بیوی اپنے آپ بن بیٹھنے والے علامہ یا مولوی کے پاس مسئلہ حل کروانے چلے جائیں تو میاں صاحب ہمیشہ کے لئے اکیلے رہ جاتے ہیں اور سانڈ جیسی موٹی گردن والا مولوی دو بیویوں کا مالک بن جاتا ہے۔ ہمارے قریب ہی مانچسٹر میں ایسا واقعہ ہو چکا ہے۔

رسولﷺ خود بھی اللہ کے قوانین کی اطاعت کرتے تھے اور دوسروں سے بھی ان قوانین کی اطاعت کرواتے تھے۔ سورۃ النسآء میں ہے کہ: وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ (4:64)- We sent no messenger but to be obeyed by Allah's law) اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر واسطے اس کے کہ اطاعت کیا جاوے ساتھ قانون اللہ کے۔ اس سے واضح ہے کہ تمام رسول بھیجنے کا مقصد دین یعنی نظامِ حکومتِ خداوندی کے ذریعے ان کی اطاعت کروانا تھا۔

محمد رسول اللہ ﷺ اللہ کا پیغام پہنچانے

والے اور اس پیغام یعنی اللہ کے قوانین کے مطابق اجتماعی نظام‘ قرآنی نظام‘ نظامِ خداوندی‘ اسلامی نظام کچھ بھی کہہ لیجئے (دین) متشکل یعنی قائم (Establish) کرنے والے ہیں۔ اس کے سوا رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا اور کوئی ذریعہ نہیں ہو سکتا۔ رسول کریم ﷺ کے متعلق اللہ کا ارشاد ہے: مُطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ (81:21)- یہ رسول بڑا قابلِ اعتماد ہے۔ وہ اس پیغام کے پہنچانے میں کسی قسم کی خیانت نہیں کرتا‘ اس کی تشکیل کے لئے ایک نظام قائم کرتا ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ جو لوگ اس نظام کی صداقت پر یقین رکھیں‘ وہ اس کی بات مانیں اور اس کے فیصلوں کی اطاعت کریں۔ (اس کے بغیر یہ نظام قائم نہیں رہ سکتا)۔

حضور نبی کریم ﷺ نے یہ نظام قائم کیا اور اس کے سربراہ یعنی اس نظام کی سنٹرل اتھارٹی خود نبی کریم ﷺ تھے۔ اس لئے اللہ نے فرمایا کہ: فَلاَ وَرَبِّکَ لاَ یُؤْمِنُونَ حَتَّیَ یُحَکِّمُوکَ فِیمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لاَ یَجِدُواْ فِیٓ أَنفُسِهِمْ حَرَجاً مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُواْ تَسْلِیماً (4:65)- (حقیقت یہ ہے کہ اللہ کا سلسلۂ ہدایت محض نظری عقائد اور رسومات کے لئے نہیں آتا نہ ہی دین اللہ اور بندے کے درمیان مذہب کی طرح پرائیویٹ تعلق کا نام ہے کہ زبان سے اللہ کا اقرار کر لیا اور پھر جس طرح جی چاہا اپنے طور پر زندگی بسر کرتے رہیں۔ دین ایک اجتماعی نظام کا نام ہے جو‘ سب سے پہلے خود رسول کے ہاتھوں متشکل ہوتا ہے‘ اس میں اس کی حیثیت مرکزی اتھارٹی کی ہوتی ہے اور اللہ کے قوانین کے مطابق‘ اس کی اطاعت‘ اللہ کی اطاعت ہوتی ہے۔ (اپنے اپنے طور پر اپنے اپنے ذہن کے مطابق اللہ کی اطاعت‘ اللہ کی اطاعت نہیں کہلا سکتی)۔۔۔ یہ ہے اللہ پر ایمان کا عملی مفہوم۔ لہٰذا! اے رسول تم ان لوگوں کو ہماری طرف سے کہہ دو کہ اللہ کا قانون اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ لوگ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک یہ اپنے اختلافی معاملات میں تمہیں حَکَم (فیصلہ کرنے والا ثالث) نہ بنائیں اور جو فیصلہ تم صادر کرو‘ اس کے سامنے اس طرح سرِ تسلیم خم نہ کر دیں کہ اپنے دل کی گہرائیوں میں بھی اس کے خلاف گرانی اور کبیدگی محسوس نہ کریں۔۔۔ دل میں گرانی اور کبیدگی محسوس نہ کرنے کا اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ فیصلہ کسی مستبد حاکم کا فیصلہ نہیں جسے طوعاً و کرہاً تسلیم کرنا پڑے۔ یہ فیصلہ اس قانون کا ہے جس کی صداقت پر یہ بطیب خاطر ایمان لائے ہوئے ہیں۔ اس ایمان کا فطری نتیجہ ہے کہ اس فیصلہ کو دل کی رضامندی سے تسلیم کیا جائے۔ اگر اس کے خلاف دل میں کبیدگی پیدا ہو تو یہ اس بات کی شہادت ہو گی کہ انہوں نے اس قانون کو بطیبِ خاطر قبول نہیں کیا تھا۔ ان کا اس پر ایمان نہیں تھا۔ رسول قرآن کے مطابق ہی فیصلے کرتا ہے اپنی طرف سے نہیں کرتا کیونکہ اسے معلوم ہے کہ: وَمَن لَّمْ یَحْکُم بِمَا أَنزَلَ اللّهُ فَأُوْلَـئِکَ هُمُ الْکَافِرُونَ (5:45)- جو لوگ

قرآن کے مطابق فیصلے (حکومت قائم) نہیں کرتے وہ کافر ہیں اور جو لوگ اپنے معاملات کے فیصلے غیر اللہ (طاغوت) سے کرواتے ہیں ان کا شمار انہی میں ہوتا ہے (4:60)۔ حضور نبی کریمﷺ کے بعد بھی یہ نظام آگے چلنا تھا اس لئے خلفائے راشدینؓ کی اطاعت بمنزلہ اطاعتِ رسولﷺ تھی۔ لیکن مسلم قوم کی بدنصیبی یہ کہ رسول کریمﷺ کے آخری خلیفہ کے بعد یہ نظام (دین) باقی نہ رہا خلافت کی جگہ ملوکیت نے لے لی اور مسلمانوں نے بھی دیگر اقوام کی طرح مذہب اختیار کر کے انسانوں کے خود ساختہ قوانین کے تابع سیکولر نظام رائج کر لیا اور غیر اللہ قوتوں یعنی طاغوت کی اطاعت شروع کر لی اور آج تک وہی روش اختیار کئے ہوئے ہیں جس کا نتیجہ مسلسل تباہی و بربادی اور ذلت و رسوائی ہے۔ اس کے برعکس نظامِ خداوندی یعنی اللہ و رسولﷺ کی اطاعت کا نتیجہ اس دنیا میں بھی جنتی زندگی ہے (4:13)۔ جس میں خوف اور حزن کی بجائے امن و سلامتی، شرف اور عظمت، خوشگواریاں و کامرانیاں، سرفرازیوں اور سربلندیوں والی ارتقائی زندگی، بافراط رزق کریم اور ہم خیال ساتھی (حواری) ہیں نہ کہ علمائے کرام کی وعظ کے مطابق مباشرت کے لئے خیموں کے باہر اپنی اپنی turn کی خاطر حوروں کی قطاریں۔ (مودودی مرحوم کے مطابق جن لڑکیوں کو حوریں بنایا جائے گا اس کا تو ذِکر ہی باعثِ شرم ہے)۔

ایک رات مَیں چین سے درآمد شدہ ناشپاتی کھا رہا تھا۔ مَیں نے دیکھا اُس کے اندر ایک بیج کی نمود (growth) شروع ہو چکی ہے۔ مَیں نے دوسرے بیج کے ساتھ اسے احتیاط سے ہتھیلی پر رکھا اور گھر کے پیچھے گارڈن میں پڑے پھولوں کے گملہ والی مٹی میں بو دیا اور تھوڑی جگہ چھوڑ کر دوسرے بیج کو بھی۔ ایک ہفتہ بعد بیجوں کے اُگنے کی امید لگائے غیب پر ایمان رکھنے والے کاشتکار کی طرح صبح و شام گملہ کے گرد چکر لگانے شروع کر دیئے۔ ایک دن دیکھا کہ وہ بیج جس نے ناشپاتی کے اندر اُگنا شروع کر دیا تھا، اپنی جڑ مٹی میں گاڑ کر دو پتوں سمیت باہر نکل آیا یہ دیکھ کر میرا دل باغ باغ ہو گیا۔ ایک ہفتہ بعد دوسرا بیج بھی اُگ آیا، پھر تو جناب خوشی کا پوچھئے نہیں۔ تین ماہ گزر چکے ہیں بعد میں اُگنے والا ننھا سا درخت ہوا میں جھولے جھولتا لہلہاتا ہوا دن بدن خوب بڑھ رہا ہے لیکن وہ جس نے ناشپاتی کے اندر اُگنا شروع کر دیا تھا، مسلم قوم کی طرح وہیں کا وہیں دس پتوں کو لئے جامد کھڑا ہے۔ سوچئے! یہ جمود کیوں ہے؟ مَیں تو اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اس کی نمود کی ابتدا مٹی سے مل کر اللہ کے قانونِ فطرت کے مطابق نہیں ہوئی تھی، جس طرح مسلمانوں کے ممالک میں پیدا ہونے والے بچوں کی تمدنی زندگی کی ابتدا اللہ کے نظام و آئین یعنی قوانین کے مطابق نہیں ہوتی۔ یہ وجہ ہے کہ مسلمانوں کے ممالک جہنم کا کندہ ہیں (4:14)۔ صالح اعمال یعنی قرآن کے مطابق

کام کرنے سے یہ دنیا جنت بنتی ہے اس لئے سورۃ محمدﷺ میں اللہ کا حکم ہے کہ: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ (47:33)- اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! مسلمانو! اس نظام کی پوری پوری اطاعت کرو جسے رسولﷺ نے متشکل کیا ہے اور کوئی ایسا قدم نہ اٹھاؤ جس سے تمہارا کیا کرایا ضائع چلا جائے۔ مسلمانوں کے کسی ایک بھی ملک میں اللہ و رسولﷺ کی اطاعت والا وہ نظام قائم ہی نہیں تو اس مردہ قوم میں کیسے جان پڑ سکتی ہے' یہ قوم کیونکر ترقی و عروج حاصل کر سکتی ہے؟ سورۃ الانفال میں ہے کہ: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ...... (8:24)- اے جماعتِ مومنین! تم اللہ اور رسول (نظامِ خداوندی) کی آواز پر لبیک کہو' جب وہ تمہیں اس بات کی دعوت دیتا ہے جو تمہیں زندگی عطا کرنے والی ہے۔ اس آیت میں دیکھئے! اللہ اور رسولﷺ (تثنیہ یعنی دو) ہیں لیکن دَعَاكُم میں ضمیر واحد کی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ اور رسول الفاظ تو بے شک دو ہیں' لیکن اس سے مراد نظامِ اسلامی ہے (یعنی وہ نظام جسے سب سے پہلے رسول اللہﷺ نے قوانینِ خداوندی کے مطابق قائم کیا تھا۔ دوسرا اہم نکتہ یہ کہ اس آیت میں يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا کہہ کر خطاب کیا گیا ہے یعنی ان لوگوں سے خطاب کیا گیا ہے جو عام معانی میں (طبعی طور پر) زندہ ہیں اور کہا یہ گیا ہے کہ تم اس نظامِ خداوندی کی دعوت پر لبیک کہو جو تمہیں اس پروگرام کی دعوت دیتا ہے' جو تمہیں زندگی عطا کر دے گا۔ زندہ انسانوں سے یہ کہنا کہ تم اس آواز پر لبیک کہو جو تمہیں زندگی عطا کر دے گا۔ زندگی اور زندگی کے نہایت نازک' لطیف اور عمیق فرق کو نمایاں طور پر سامنے لے آتا ہے۔ ایک زندگی محض نفس شماری کی زندگی ہے یعنی سانس کی آمدورفت۔ اس زندگی میں حیوان اور انسان سب برابر شامل ہوتے ہیں دوسری زندگی شرفِ انسانیت کی ہے جو اقدارِ خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ قرآن کریم کی تو یہ تعلیم ہے لیکن ''دل دیاں نمازاں'' پڑھنے والے اہلِ تصوف نے اس کے خلاف موتو قبل ان تموتو مرنے سے پہلے ہی مر جاؤ کا سبق پڑھا کر قوم کو پستیوں کے کھڈے میں غرق کر رکھا ہے۔ ایک مسجد کے امام صاحب پاکستان کا چکر لگا کر آئے تو مَیں نے ان سے پوچھا کہ آپ نے کیا دیکھا؟ انہوں نے فرمایا نمازیں بھی پڑھی جا رہی ہیں اور ساتھ ہی لوٹ کھسوٹ' جھوٹ اور بے ایمانی بھی کرتے ہیں' یہ فلسفہ سمجھ میں نہیں آیا۔ مَیں نے عرض کیا کہ مانچسٹر کی مدینہ مسجد کے امام صاحب نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ نماز اپنی جگہ اور باقی کام اپنی جگہ' نماز نیکیوں والے پلڑے کو جھکا دیتی ہے اور جمعہ کی نماز میں اگر کسی کی آمین فرشتوں کی آمین سے مل جائے تو اس شخص کے اسّی (80) سال کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں' یہ سن کر امام صاحب چپکے سے چل

دیئے۔

سوال ہو سکتا ہے کہ مغربی ممالک میں تو نظامِ خداوندی کی بجائے ان کا خودساختہ غیراسلامی جمہوریت کا نظام رائج ہے تو پھر یہ اقوام کیوں دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کرتی چلی جا رہی ہیں؟ پہلی بات یہ کہ اللہ کے قوانینِ فطرت کے مطابق اشیائے کائنات کی تسخیر میں ان اقوام کی ترقی کا راز پوشیدہ ہے۔ دوسری بات کے متعلق ایسا نظر آتا ہے کہ یہاں تمدنی اور معاشی مسائل میں آسانیاں پیدا کرنے کے لئے صدرِ اوّل کے مسلمانوں سے مستعار لئے گئے قوانین بھی نافذ العمل ہیں۔ مثال کے طور پر حمل قرار پاجاتا ہے تو سرکاری ڈاکٹر کی وساطت اور حکومت کی طرف سے حاملہ عورت کی دیکھ بھال شروع ہو جاتی ہے۔ سب سے پہلے عورتوں کے ہسپتال میں حاملہ کے دانت چیک کئے جاتے ہیں تاکہ پیدا ہونے والا بچہ ہرقسم کے خطرناک بیکٹیریا سے محفوظ رہے۔ پھر بچہ پیدا ہونے تک گاہے بگاہے سکین کے ذریعے ماں کے بطن میں بچے کی پرورش کے متعلق نگاہ رکھی جاتی ہے۔ جونہی بچہ پیدا ہو جاتا ہے تو اس کا وظیفہ شروع کر دیا جاتا ہے جو کہ اٹھارہ سال تک مفت تعلیم کے ساتھ اسے ملتا رہتا ہے۔ یونیورسٹی میں پڑھنے والوں کو گرانٹ ملتی ہے۔ تاریخ کے اوراق سے پوچھئے اور غور کیجئے! کیا یہ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت والا اسلامی قانون نہیں ہے؟ (افسوس! اتنی سہولتوں کے باوجود اکثر پاکستانی بچے یونیورسٹی نہیں جاتے اور جو جاتے ہیں وہ Medicine اور law یا بزنس سے متعلق پڑھائی کرتے ہیں، فزکس، کمیسٹری یعنی سائنس اور ٹیکنالوجی کی نہیں۔ دوسری طرف مولوی اور پیرحضرات چھوٹے چھوٹے بچوں کوسروں پر سفید پگڑیاں لپیٹنے کی ترغیب دے کر اپنے رنگ میں رنگتے جا رہے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس قوم کا مقدر ہی مکدر ہو چکا ہے)۔ ہسپتال میں ہر شخص کا علاج مفت ہوتا ہے۔ مرد ہو یا عورت بوڑھے ہو جائیں پینشن ملنی شروع ہو جاتی ہے اور دوا مفت۔ کام کرنے والوں کی تنخواہ کم ہو تو حکومت کی طرف سے ان کی کمی کو پورا کر دیا جاتا ہے۔ کسی وجہ سے کام چھوٹ جائے یا کوئی بیمار پڑ جائے اسے بینیفٹ دیا جاتا ہے۔ شوگر جیسی لاعلاج مرض میں اگر کوئی بھی مبتلا ہو جائے تو اسے چیک کرنے کے لئے مشین کے ساتھ دوا مفت شروع کر دی جاتی ہے۔ (یہ سب کچھ پبلک سے وصول شدہ ٹیکس میں سے کیا جاتا ہے۔ جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کا لفظ استعمال کیا ہے)۔ اس کے برعکس رسول اللہ ﷺ سے نسبت رکھنے والی قوم کا یہ حال ہے کہ پاکستان میں اگر کوئی بیمار شخص سرکاری ہسپتال میں داخل ہو جائے تو اس کا دیوالیہ نکل جاتا ہے۔ ایک دفعہ جنگ اخبار کے کالم نویس جاوید چوہدری نے لکھا کہ اسے شوگر کے لئے گولی امریکہ سے منگوانی پڑتی ہے کیونکہ پاکستان میں دونمبر گولی ملتی ہے۔ ہومیوپیتھی ادویات بہت سستی ہیں لیکن پاکستان میں یہ بھی دونمبر تیار کی جاتی ہیں۔ لکڑی کا کوئلہ نایاب اور مہنگی شئے نہیں ایک دفعہ اس سے بنی ہوئی دوائی جعلی نکلی، یہ میرا خود کا تجربہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ڈاکٹرانعام الحق' اسلام آباد

انتخاب لغات القرآن

☆ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِن قَبْلِ أَن يُقْضَى إِلَيْكَ وَحْيُهُ (20:114)- جب تک وحی کی پوری تعلیم سامنے نہ آ جائے اس کے عملی پروگرام میں عجلت مت کرو۔

☆ کسی شے کو ابدی طور پر حرام قرار دینے کا اختیار خدا کے سوا کسی کو نہیں۔

☆ جب تک اسلامی مملکت کا نظام (الدین) قائم رہے' فرقے پیدا نہیں ہو سکتے۔ جب وہ نظام باقی نہیں رہتا تو فرقے پیدا ہونا لازمی ہیں۔

☆ کسی نقصان سے پہلے جو کیفیت ہوتی ہے وہ خوف ہے۔اس کے بعد غم یا حزن شروع ہو جاتا ہے۔

☆ احسان میں نگاہ واجب(Dues) پر نہیں ہوتی بلکہ مقصد توازن برقرار رکھنے سے ہوتا ہے۔

☆ حق کے معنی ہیں کسی چیز کا اس طرح موجود ہونا' واقع اور ثابت ہو جانا کہ اس کے واقع ہونے یا ثابت ہونے سے انکار نہ کیا جا سکے۔ نیز ہر وہ موجود چیز جو حکمت کے تقاضوں کے مطابق ہو (راغب) قرآن کی شہادت ہے کہ خدا خود حق ہے (10:30)' اس کا رسول حق ہے (3:85)' اس کی طرف سے بھیجا ہوا قرآن کریم حق ہے (34:6)' اس کے وعدے (قوانین) حق ہیں(10:55)' اور یہ کائنات بالحق پیدا کی گئی ہے (39:5)۔

☆ عام اشیائے فطرت یعنی رزق کے چشمے کو حلال رکھنے کا مطلب ان (Free goods) کو کھلا رکھنا ہے۔ ان کو روک کر (Economic goods) میں تبدیل کرنا ان کو حرام قرار دینے کے مترادف ہے جو کبھی جائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔

☆ میں نے (متعدد اسناد کی تائید سے) لکھا ہے کہ اُحور جس کی جمع حُور' ہے کے معنی پاکیزہ عقل (Pure or clean intellect) کے ہیں۔ یعنی چالاک اور مکار عقل نہیں بلکہ پاک اور صاف عقل جو عقل ادب خوردہ دل ہو۔

☆ حِیْلَۃٌ وہ طریقہ ہے جس سے کسی بات تک پوشیدہ طور پر پہنچا جائے۔ (راغب)۔

☆ ''کلمۃ خبیثۃ'' (غلط نظریہ حیات) دیکھنے میں بالکل صحیح نظریہ کے مطابق نظر آتا ہے' لیکن اس کا نتیجہ کچھ نہیں نکلتا۔

☆ ''خدافریبی'' خودفریبی (Self Deception) کا دوسرا نام ہے' لیکن لوگ اس کا شعور نہیں رکھتے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خواجہ ازہرعباس، فاضل درسِ نظامی

یوم الفرقان

قرآنِ کریم نے غزوۂ بدر کے دن کو یوم الفرقان، یعنی فیصلہ کا دن کہا ہے اور یوم التقی الجمعن، یعنی جس دن دونوں جماعتوں کی مڈبھیڑ ہوئی، کے الفاظ سے اس کی وضاحت فرمادی۔ اس لئے کہ وہ پہلا دن تھا جب مسلمانوں اور کفار کے درمیان بحیثیت جماعت تصادم وٹکراؤ ہوا تھا۔ قرآن کریم نے یوم بدر کو جو فیصلہ کا دن قرار دیا ہے تو یہ بغیر کسی سبب کے نہیں کہا بلکہ اس کو فیصلہ کا دن اس لئے کہا ہے کہ تاریخ عالم میں اس دن کی ایک منفرد حیثیت ہے۔ اس دن حق و باطل کا ایسا فیصلہ ہوا کہ اس سے انسانیت کی تاریخ کا رخ بدل گیا۔ قرآن کریم نے اسی سورت (انفال) کے شروع میں اس غزوہ کا مقصد لِیُحِقَّ الْحَقَّ وَیُبْطِلَ الْبَاطِلَ (8:8)۔ یعنی اس سے حق کا اثبات و استقلال اور باطل کا ابطال ہو جائے فرمایا ہے۔ پھر اس فحویٰ کے لئے سورہ توبہ میں فرمایا: وَجَعَلَ کَلِمَۃَ الَّذِیْنَ کَفَرُوا السُّفْلٰی وَکَلِمَۃُ اللّٰہِ ھِیَ الْعُلْیَا (9:40)۔ یعنی باطل کے نظریاتِ حیات مغلوب ہو جائیں اور اللہ کا عطا کردہ دین غالب آ جائے اور یہ سب اس طرح ہوسکتا ہے کہ جو کچھ بدر کے دن حضورﷺ پر نازل ہوا تھا، اس پر ایمان لا کر، اس پر عمل کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے غزوۂ بدر کا نتیجہ دین کا قیام اور اسکا غلبہ قرار دیا ہے اور یہ سب کچھ یقیناً بدر کے نتیجہ میں حضورﷺ اور صحابۂ کرامؓ کو حاصل ہوا جبکہ انہوں نے مدینہ میں عملی طور پر اپنی ریاست قائم کر لی تھی۔ قرآن کریم کی رو سے دین کا ہر حکم مسلمان پر فرض اور واجب ہے۔ مسلمان ہونے کے معنے ہی یہ ہیں کہ دین یا اسلامی نظام کے ماتحت زندگی بسر کی جائے۔

مصباح اللغات نے دین کے معنے غلبہ، قدرت، حکم ملکیت لکھے ہیں۔ قرآن کریم اس کو غلبہ، حکومت، مملکت، قانون کے معانی میں استعمال کرتا ہے۔ سورۂ یوسف میں دین الملک کے معنے بادشاہ کا قانون ہے (12:76)۔ وَلَا یَدِیْنُوْنَ دِیْنَ الْحَقِّ (9:29)۔ وہ حق یعنی اللہ کا دین قبول نہیں کرتے۔ یہ قرآن کریم کی بڑی جامع اصطلاح ہے اور قرآنِ کریم میں جہاں بھی یہ لفظ استعمال

ہوا ہے اس کے معنے ضابطۂ زندگی' نظام معاشرہ' قانون' حکومت اور آئین مملکت کے آئے ہیں۔ ہمارے اس دور میں حکومت ومملکت کا لفظ اس کا صحیح مفہوم ادا کرتا ہے۔اس کے علاوہ اس کا اور کوئی مفہوم ہو ہی نہیں سکتا۔اس مفہوم کو ذہن میں رکھ کر'اب آپ یہ آیات ملاحظہ فرمائیں۔

(1) سورہ شوریٰ میں ارشاد ہوتا ہے:أَنْ أَقِيمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيْهِ (42:13)-اس آیت کریمہ سے یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے کہ یہاں دین کوقائم کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔لوگوں کی عملی زندگیوں میں اسے رائج کرانا کہ لوگوں کے اعمال اسی دین کے قالب میں ڈھل جائیں۔صرف زبانی دعوت دینا اور اس دعوت کے محاسن بیان کرنا کافی نہیں ہے۔عام طور پر ہمارے ہاں اس آیت کا مفہوم یہ لیا جاتا ہے کہ دین پر قائم رہو یعنی دین کے نظریات کو اپنائے رکھو لیکن قرآنِ کریم نے اقیموا کا لفظ استعمال کر کے' یہ بات نکھار کے واضح کر دی کہ دین کو قائم Establish کرنا ہے۔اسی کو بطور ایک نظامِ حیات کے جاری کرنا اور اس کو قائم رکھنا ہے۔

(2) ارشاد ہوتا ہے کہ کیا یہ دین اللہ کے علاوہ کوئی اور دین اختیار کرنا چاہتے ہیں حالانکہ جو بھی آسمان وزمین میں ہے طوعاً وکرھاً سب اسی کے فرمانبردار ہیں۔سب اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔یہاں الیہ یرجعون نے واضح کر دیا کہ اگر انہوں نے دینِ خداوندی کو نہیں اپنایا' تو زمانے کے تقاضے ان کو مجبور کر دیں گے کہ یہ مجبور ہو کر اس نظام کی طرف پلٹیں۔پھر واضح فرما دیا:وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الإِسْلاَمِ دِيْناً فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ (3:85)-دین کو قائم کرنے پر اصرار کرنے کے بعد فرمایا کہ جو لوگ اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو اختیار کریں گے' تو وہ دین اللہ کے ہاں قبول نہیں ہوگا۔اس کے عملی معنے یہ ہیں کہ جو ثمرات وبرکات دین کے قائم کرنے کے بعد اس قوم نے حاصل کئے تھے وہ قوم اب ان برکات و ثمرات سے بالکل محروم ہو جائے گی اور مستقبل میں وہ قوم سخت نقصان میں رہے گی۔

دین خداوندی کے نہ اپنانے کے نتائج قرآنِ کریم نے مستقبل میں سخت نقصان اور خسران بتائے ہیں لیکن اس آیت کے بعد قرآن کریم اس قوم کے حالات بیان فرماتا ہے جس نے ایک مرتبہ یہ نظام اختیار کر لیا' لیکن پھر اپنی بدبختی کی وجہ سے اس نظام کو ترک کر دیا اور اس طرح قرآن کریم ہماری داستان بیان کر دیتا ہے کہ:كَيْفَ يَهْدِي اللّهُ قَوْماً كَفَرُواْ بَعْدَ إِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُواْ أَنَّ الرَّسُولَ حَقٌّ وَجَاءهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَاللّهُ لاَ يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِيْنَ (3:86)-باقی رہے وہ لوگ جو ایمان لانے کے بعد' کفر کی راہ اختیار کر لیں' حالانکہ اس دین کے نتائج اور اس کے ثمرات وبرکات نے یہ بات واضح کر دی تھی کہ ان کے رسول نے جو کچھ فرمایا تھا وہ بالکل حقیقت پر

مبنی تھا پس جو قوم ان نتائج کو دیکھنے کے بعد اس نظام کو ترک کر دے تو اس کی دنیا کس طرح کامیاب و کامران ہو سکتی ہے۔ اس سے سابقہ آیت میں جس خسران کی نشاندہی کی گئی تھی اور اس موجودہ آیت میں ''ایمان کے اور کفر'' یعنی خلافت راشدہ یا دین قائم کر لینے کے بعد انسانی نظام حیات' یا ملوکیت اختیار کرنے کے جو نقصانات ہم مسلمانوں کو ہوئے ہیں وہ سب اس آیت کریمہ کی حقانیت کی دلیل ہیں اور ہم مسلمانوں کا ایسا نقشہ کھینچ دیا کہ عقل انسانی اس آیت کو وحی ماننے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

(3) وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيراً (4:115)- جو شخص حق واضح ہو جانے کے بعد بھی رسول (اسلامی نظام) کی مخالفت کرے اور جماعت مومنین (اسلامی نظام) کے علاوہ کسی راستے کی پیروی کرے تو ہم اسے اسی راستے پر لے جاتے ہیں جس پر وہ جا رہا ہے اور اسے دوزخ میں داخل کریں گے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔

اس آیت کریمہ اور اسی قسم کی دیگر آیات کے سمجھنے میں ہمارے اس زمانہ میں بڑی دقت پیش آتی ہے کیونکہ اس وقت کے حالات اس وقت کے حالات سے بالکل مختلف ہیں۔ حضورﷺ نے اپنے ساتھ نہایت مخلص اور جاں نثار صحابہؓ کی جماعت اکٹھی کی تھی۔ ان میں بمشکل ہی کوئی ایک یا دو اشخاص نکل جاتے تھے جو نہایت فراست سے ان میں گھلے ملے رہتے تھے اور موقع پانے پر حضورﷺ کی مخالفت کر دیتے تھے لیکن چونکہ وہ ایک دو ہی ہوتے تھے اس لئے وہ اپنی حرکتوں سے پہچانے جاتے تھے اور انہیں صحابہ کرامؓ کی جماعت سے نکال دیا جاتا تھا۔ ہماری اس دور کی حالت ہی کچھ اور ہے۔ ہم سب پیدائشی اور مردم شماری کے رجسٹر کے مسلمان ہیں۔ جتنے نقائص و معائب مشرکین و کفار میں تھے' ماشاءاللہ وہ سب ہم میں موجود ہیں۔ ہم میں جماعت مومنین کی راہ ہے ہی نہیں۔ اس لئے اس راہ کو چھوڑ کر دوسری راہ اختیار ہی نہیں کی جا سکتی۔ آیۂ کریمہ میں جو کہا گیا ہے کہ جو مومنین کی راہ چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کرے گا وہ جہنم میں جائے گا تو اس آیت کے مطابق تو ہم سب جہنم کی طرف جا رہے ہیں کیونکہ ہم نے رسول (مرکز) اور قرآن کو چھوڑا ہوا ہے۔

اس آیت میں سبیل المومنین کی جو اصطلاح استعمال ہوئی ہے وہ خود ہمارے جہنم میں جانے کی نشاندہی کر رہی ہے۔ ہماری پیشوائیت اس کے عجیب معنے لیتی ہے۔ ہر فرقہ جو اکثریت میں ہے' اپنے آپ کو سبیل المومنین کہتا ہے اور ہر اقلیت کے فرقہ کو غیر سبیل المومنین کہتا ہے۔ قرآن کریم کی رو سے فرقہ بندی خود حرام ہے اور شرک کے مرادف ہے۔ یہ آیت اسلامی نظام کے قیام کے بغیر نہ سمجھ میں آ سکتی ہے اور نہ ہی اس پر عمل ہو سکتا ہے' اس کا قرآنی

مفہوم یہی ہے کہ اسلامی نظام میں مشاورت کے بعد جو قانون بن جائے اور بطور حکم کے وہ جاری کر دیا جائے' اس کا ماننا ضروری ہوگا اور جو شخص مرکزی حکومت سے جاری شدہ حکم کی مخالفت کرے گا وہ اسلامی حکومت کی مخالفت کرے گا اور جہنم میں جائے گا۔ جہاں تک اس دور کا تعلق ہے تو ہم سب ہی من حیث القوم جہنم کی طرف جا نہیں رہے ہیں' بلکہ جہنمی معاشرہ میں زندگی بسر کر رہے ہیں جس کی ایک علامت قرآن کریم نے بیان فرمائی ہے بلکہ ارشاد ہوتا ہے: كُلَّمَا أَرَادُوا أَن يَخْرُجُوا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ أُعِيدُوا فِيهَا (22:22 ,32:20)-اور جب صدمہ کے مارے چاہیں گے کہ دوزخ سے نکل بھاگیں تو پھر اسی کے اندر دھکیل دیئے جائیں گے۔ اول تو پاکستان سے باہر جانے کے لئے لوگوں کو پاسپورٹ ہی نہیں ملتے اور پھر ویزے ملتے ہیں تو کچھ مدت کے لئے ملتے ہیں' جس کے بعد انہیں پھر اسی جہنمی معاشرہ کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے۔

(4) سورہ مائدہ میں ارشاد ہوتا ہے: وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ (5:44)-اور جو لوگ خدا کے نازل کردہ کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہ لوگ کافر ہیں۔ اس آیہ کریمہ کی اہمیت کا اندازہ آپ اس بات سے کر سکتے ہیں کہ یہ آیت کفر اور اسلام میں حد فاصل قائم کرتی ہے لیکن افسوس اس بات کا ہوتا ہے کہ اس آیت کی اصل تفسیر اور اس کا اصل مفہوم مذہب میں واضح ہو ہی نہیں سکتا۔ چونکہ صدرِ اول کے بعد سے لے کر آج تک نہ کہیں اسلامی حکومت قائم اور نہ کبھی انسانی معاملات کے فیصلے ما انزل اللہ (قرآن) کے مطابق کئے گئے اس لئے اس آیۂ کریمہ پر کبھی بھی عمل نہیں ہو سکا۔ اصل یہ ہے کہ مذہب میں اس آیت کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے' اسی لئے ہماری تفاسیر میں اس آیت کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی گئی ہے۔ اکثر تراجم میں تو اس پر کوئی حاشیہ تک نہیں دیا گیا ہے۔ چند تفاسیر میں اس آیت پر سرسری سے گفتگو تحریر کر دی گئی ہے جبکہ دینی نکتہ نگاہ سے یہ آیت قرآن کریم کی تعلیم کا عروۃ الوثقیٰ ہے۔

حضرت اقدس جناب مولانا عثمانی نے اس آیت کے ذیل میں صرف یہ تحریر فرمایا ہے: ''ما انزل اللہ کے موافق حکم نہ کرنے سے غالباً یہ مراد ہے کہ منصوص حکم کے وجود ہی سے انکار کر دے اور اس کی جگہ دوسرے احکام اپنی رائے اور خواہش سے تصنیف کرے جیسا کہ یہود نے حکم رجم کے متعلق کیا تھا''۔ جلالین نے اس کے شان نزول کے بارے میں ایک واقعہ تحریر کیا اور فرمایا کہ یہ آیت اس واقعہ کی تصویب کے لئے نازل ہوئی۔ جلالین نے اس سے زیادہ اس آیت کو اہمیت ہی نہیں دی۔ تفسیر مظہری میں بھی تحریر ہے: ''یعنی اللہ کے احکام کی توہین کی اور ان کا انکار کرتے ہوئے ان کے مطابق حکم نہیں دیا وہ کافر ہیں۔'' جو زیادہ عقلمند مفسرین کرام تھے انہوں نے اس سے زیادہ

لطیف راستہ اس سے جان چھڑانے کا نکالا۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ آیت اوراس سے ملحقہ آیات جن میں کافروں کی جگہ فاسقون اور ظالمون کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں' یہ سب آیات سابقہ اہل کتاب کے متعلق نازل ہوئی ہیں۔ ان کا ہم مسلمانوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے اس آیت کا ترجمہ تحریر کیا ہے۔ وہرکہ حکم نہ کند بآنچہ خدا فروفرستادہ است۔ پس ایشانندنا معتقدان''۔ ترجمہ پر بطور تفسیر تحریر ہے ''وآنہاکہ حکم نکند بآنچہ خدا فروفرستاد یعنی یہود پس آن گروہِ ایشان کافرانند''۔ یہاں تفسیر میں واضح طور پر تحریر کر دیا کہ اس آیت کا تعلق یہود سے ہے۔ ہمارا اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔

اصل وجہ وہی ہے کہ یہ آیت مذہب کے خلاف ایک کھلا چیلنج ہے اور دین کے قیام کی داعی ہے۔ اس سلسلہ میں آپ سب سے پہلے یہ غور فرمائیں کہ قرآن کریم کے مطابق دین شروع سے اب تک ایک ہی چلا آ رہا ہے۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے اور ہر رسول کی یہی دعوت تھی کہ دین قائم کرو وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولاً أَنِ اعْبُدُواْ اللّـهَ (16:36)۔ ہم نے تو ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ لوگو اللہ کی محکومیت اختیار کرو۔ حکومت صرف خدا کی جائز ہے اور کسی کو زیب ہی نہیں دیتی لہٰذا یہ اصول کہ جولوگ ماانزل اللہ کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہ کافر ہیں' اس اصول کا اطلاق ہر رسول اور ہر امت پر یکساں ہوگا اور ہم مسلمانوں پر تو سب سے زیادہ کیونکہ قرآن ان سب کا مھیمن ہے اور خود رسولؐ اللہ کو بھی حکم دیا گیا تھا کہ: فَاحْکُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللّهُ (5:48)- تم ان کے معاملات کے فیصلے ماانزل اللہ کے مطابق کرو'' لہٰذا یہ اصول و قانون ہم پر بھی لازم آتا ہے بلکہ یہ بات بھی خیال شریف میں رکھیں کہ یہ قانون سابقہ امتوں کی بہ نسبت ہم پر زیادہ لازم قرار پاتا ہے کہ سابقہ امتوں کے پاس ماانزل اللہ محفوظ ہی نہیں ہے ماانزل اللہ تو اصل شکل میں صرف ہمارے پاس موجود ہے۔

چونکہ ہماری پیشوائیت دین کے قائم کرنے سے ہمیشہ گریز کی راہیں تلاش کرتی ہے۔ اس لئے انہوں نے اس آیت کو سابقہ امتوں سے مخصوص کر دیا ہے لیکن زیرنظر پر ذرا سا غور کرنے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اس کا تعلق سابقہ امتوں کی طرح ہم سے بھی ہے۔ قرآن کریم اگر تورات اور انجیل کے الفاظ استعمال کرتا اور تورات اور انجیل کے مطابق فیصلے کرنے کا حکم دیتا تو پھر بے شک اس کا تعلق یہود ونصاریٰ سے مختص رہ جاتا۔ لیکن آیہ کریمہ نے تو ماانزل اللہ کے الفاظ استعمال کئے ہیں جس کا مطلب ہے ہر قوم کو اپنے ماانزل اللہ کے مطابق فیصلے کرنے چاہئیں۔ یہود ونصاریٰ کا ماانزل اللہ تورات وانجیل تھے یعنی ان کا ماانزل اللہ ان کی کتابیں تھیں ہمارا ماانزل اللہ قرآنِ کریم

ہے اس لئے ہمیں تو ہر حال میں اسلامی حکومت قائم کر کے قرآن کے مطابق فیصلے کرنے لازم ہوں گے۔

(5) سورۂ مائدہ کی ان تین آیات کریمات کے فحویٰ و منشاء کو قرآن کریم نے پھر سورہ شوریٰ کی ایک آیت میں مرتکز کر کے فرمایا: وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِن شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ (42:10)- تمہارا کسی معاملہ میں بھی اختلاف ہو تو اس کا فیصلہ اللہ کے حوالہ ہے۔ اللہ کے حوالہ سے کیا مراد ہے اس بارے میں تفسیر تدبر قرآن میں مرقوم ہے۔

i- فرمایا کہ اللہ کے بھیجے ہوئے دین کی جس بات میں بھی تم نے اختلاف کیا۔ خواہ وہ توحید ہو یا آخرت' میری ذمہ داری اس میں صرف حق پہنچا دینے کی تھی سو وہ میں نے تم کو پہنچا دیا۔ اب اس کا فیصلہ اللہ کے حوالہ ہے۔ وہ فیصلہ فرمائے گا کہ میں نے حق پہنچانے میں کوتاہی کی یا تم نے حق کو پہچان کر' اس کو جھٹلا دیا۔''

ii- تفسیر مظہری نے لکھا ہے: ''یعنی اے لوگو اگر دین میں تم جو اختلاف کرتے ہو' اس کا فیصلہ اللہ کے سپرد ہے۔ قیامت کے دن حق پرستوں اور باطل پرستوں کو الگ الگ کر دے گا۔ بعض علماء نے آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ جن متشابہات کے مطلب میں تم اختلاف کرتے ہو' اس کو محکمات کی طرف لوٹا دو۔ (جلد 10 'صفحہ 210)۔

iii- تفسیر حسینی میں ملا حسین الواعظ کاشفی نے فحکمہ الی اللہ (پس اس کا حکم اللہ کے حوالے) کا مطلب بیان کیا ہے۔ پس حکم او مفض است بخدائی و او حکم خواہد کرد در روزِ قیامت (ترجمہ) اس کا حکم اللہ کے سپرد ہے اور اللہ قیامت کے دن اس کا فیصلہ کر دے گا۔ یعنی نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ فیصلہ سب قیامت کے دن ہو گا۔ اور یہ سب دین سے گریز کی راہیں ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ ان مفسران کرام نے فیصلہ کو صرف دین کے معاملات تک محدود کر دیا ہے اور دنیاوی امور کے فیصلوں کو اس آیت سے خارج کر دیا ہے۔ تو یہ خود آیت کے مفہوم کے خلاف ہے۔ آیت میں کسی جگہ دین کے معاملات کی تخصیص نہیں کی گئی ہے بلکہ ''فیہ من شئی کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ جس کے معنے ہیں کہ کسی معاملہ میں بھی اختلاف ہو خواہ وہ دنیا کا ہو یا دین کا۔ فحکمہ الی اللہ کا واضح مطلب یہ ہے کہ تمہارا جس معاملہ میں بھی اختلاف ہو' اس کا فیصلہ اللہ کے قانون کے مطابق کراؤ۔ یہ بات ظاہر ہے کہ فیصلہ کرانے کے لئے زندہ اتھارٹی کا ہونا لازمی و لابدی ہے۔ مردوں کے مزارات' یا روایات کی کتابیں کسی اختلاف کا فیصلہ نہیں کرا سکتیں۔ اس آیت پر عمل کرنے کے لئے اسلامی حکومت کا قیام لازمی اور ضروری شئے ہے۔

(6) حضورؐ نے اپنے دور میں قرآنی نظام قائم فرما لیا تھا جس کا رقبہ دس لاکھ مربع میل پر پھیلا ہوا تھا۔

حضورﷺ کے اپنے روشن دور میں عدالتیں قائم ہو چکی تھیں جو قرآن کریم کے قوانین جاری کر رہی تھیں اور قرآن کے مطابق فیصلے کر رہی تھیں ارشاد ہوتا ہے: إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤدُّواْ الأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُواْ بِالْعَدْلِ (4:58)- بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتوں کے جو مستحق ہوں انہیں ان کی امانتیں سپرد کر دو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلے کرنے لگو تو عدل وانصاف کے ساتھ فیصلے کیا کرو۔ پھر حضورﷺ کو علی الخصوص حکم ہوا فَاحْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللّٰهُ (5:48)- تم قانونِ خداوندی کے مطابق ان میں فیصلے کرو۔ حضورﷺ کے یہ فیصلے حجت ہوتے تھے اور ان ہی فیصلوں کی اطاعت عبادت خداوندی تھی۔ جس طرح حضورﷺ کے یہ فیصلے حجت تھے اور ان کی اطاعت ہی عبادت الٰہی تھی، آج بھی اسلامی نظام کے فیصلے حجت ہوں گے اور صرف اور محض ان کی اطاعت عبادتِ خداوندی ہو گی لیکن اگر وہ نظام ہی کسی جگہ قائم نہ ہو، جس طرح کہ آج یہی حالت ہے، تو نہ تو اللہ ورسول کی اطاعت ہو رہی ہے اور نہ ہی عبادت خداوندی ہوسکتی ہے۔

(7) ارشادِ حضرتِ باری تعالیٰ ہوتا ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ أَطِيعُواْ اللّٰهَ وَأَطِيعُواْ الرَّسُولَ وَأُوْلِي الأَمْرِ مِنكُمْ (4:59)- الخ (ترجمہ) اے ایمان والو خدا کی اطاعت کرو اور رسول کی اور جو تم میں سے صاحبانِ حکومت ہوں ان کی اطاعت کرو اور اگر تم کسی بات میں اختلاف کرو پس اگر تم خدا اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو، تو اس امر میں خدا اور رسول کی طرف رجوع کرو۔ اس مبارک اور نورانی آیت میں اطیعوا کا لفظ دوبارہ لا کر رسول اور اولی الامر کی اطاعت کو انتظامی وعقلی اطاعت قرار دیا گیا ہے۔ حضورﷺ کے اپنے دور میں خود تو حضورﷺ مدینہ شریف میں سکونت پذیر تھے لیکن تمام مملکت میں حضورﷺ کے ماتحت حکام (اولی الامر) حکومت کو چلا رہے تھے۔ ان اولی الامر کی اطاعت حضورﷺ کی اطاعت ہوتی تھی۔ حضورﷺ کے دور میں بھی ایسا ہی تھا اور آج بھی حضورﷺ کی اطاعت کرنے کی واحد شکل یہ ہے کہ موجودہ اسلامی نظام کے حکام کی اطاعت ہی حضورﷺ کی اطاعت ہوگی۔ کتب روایات کے ذریعے حضورﷺ کی اطاعت نہ جب تھی اور نہ ہی آج ہوسکتی ہے۔ کیونکہ لوگوں کے تنازعات طے کرنے کے لئے قرآن و حدیث بلکہ کوئی قانون بھی زندہ حکام کے بغیر نہ پہلے کافی تھا اور نہ اب کافی ہوسکتا ہے، اس آیت کریمہ (4:59) میں رسول سے مراد حدیثیں نہیں ہوسکتیں بلکہ اس سے زندہ رسول مراد ہے اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء مراد ہیں۔ ورنہ اس آیت کا اطلاق صرف رسول اللہ کی زندگی تک محدود رہ جاتا ہے حالانکہ آیت کا حکم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہوتا ہے۔

(8) قرآنِ کریم نے طاغوت میں زندگی بسر کرنے کو

بالکل منع فرمایا ہے (4:60) اور جو شخص بھی اسلامی نظام کے بجائے طاغوت میں زندگی بسر کرے گا' قرآن کریم انہیں مجرم قرار دیتا ہے اور ان کے لیڈروں کو اکابر مجرمین (6:123) کے الفاظ سے موسوم کرتا ہے۔ یوں تو ہر غیر اسلامی نظام میں زندگی بسر کرنے والے سب افراد مجرم ہوتے ہیں' لیکن ان کے لیڈروں کو قرآن کریم اکابر مجرمین کہتا ہے۔

(9) ہر مومن پر فرض ہے کہ خدا اور صرف خدا کی محکومیت میں زندگی بسر کرے۔ اگر وہ اپنی سرزمین پر اسلامی نظام قائم کرنے میں کامیاب ہو جائے تو سبحان اللہ' لیکن اگر اس کی سرزمین میں اس کا امکان نہیں ہے تو وہ وہاں معذور ہو کر ہی نہ بیٹھ جائے اور غیر اللہ کی محکومیت پر قناعت نہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ جو لوگ (غیر اسلامی نظام میں رہ کر) اپنے ہاتھوں اپنے اوپر ظلم کر رہے ہیں ان کی روح قبض کرتے وقت فرشتے ان سے پوچھتے ہیں تم کس حال میں تھے۔ وہ جواب میں کہیں گے' ہم کیا کرتے' ہم ملک میں بے بس و کمزور رہے (یعنی بے بسی کی وجہ سے دین کے مطابق زندگی بسر نہیں کر سکے) اس پر فرشتے کہتے ہیں (اگر تم اپنے ملک میں مغلوب تھے' تو) کیا اللہ کی زمین وسیع نہیں تھی کہ کسی دوسری جگہ ہجرت کر کے چلے جاتے' یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ کیا ہی بری جگہ ہے (4:97)۔

آپ اس آیت کو ملاحظہ فرمائیں کہ اس میں اسلامی نظام کے قیام پر کس درجہ اصرار Emphasis ہے۔ اس آیت کے اگلے حصہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ معذرت صرف ان لوگوں کی قابل قبول ہے جو طبیعی طور پر کمزور ہوں اور ہجرت کی کوئی راہ نہ پاتے ہوں۔ البتہ ہجرت کی راہ نہ پانے والوں پر لازم ہے کہ وہ اپنی ہی سرزمین پر اسلامی نظام قائم کرنے کی کوشش کریں اور کسی حال میں بھی غیر اسلامی نظام پر قانع نہ ہوں۔

(10) سورہ مائدہ کی وہ آیات کریمات جن میں ارشاد ہوتا ہے کہ جو شخص بھی قانون خداوندی کے مطابق فیصلے نہ کریں وہ کافر' فاسق اور ظالم ہیں' تو ان آیات کا اطلاق سیاسی امور کے ساتھ ساتھ معاشی معاملات پر بھی ہوتا ہے۔ اگر رزق کی تقسیم قانونِ خداوندی کے مطابق نہیں ہوتی تو اس رزق کا حصول یقیناً حرام ہے۔ غیر اسلامی نظام میں کمائے ہوئے رزق کا ایک ایک لقمہ حرام ہوتا ہے۔ رزق کے حلال ہونے کی واحد صورت یہ ہے کہ اس کی تقسیم قرآنی قوانین کے مطابق ہو۔ اس کی عملی نشاندہی قرآن کریم کی آیات 11:6 ,6:151 ,17:31 میں دی گئی ہے جس میں فرمایا کہ ہر شخص کے رزق کی ذمہ داری اسلامی نظام پر ہوتی ہے۔ نیز اس کی دوسری عملی پہچان حضور ﷺ کی اس نورانی و درخشندہ حدیث میں کی گئی ہے جس میں ارشاد ہوتا ہے کہ: اگر کسی بستی میں ایک شخص بھی بھوکا سو گیا' تو اس بستی سے اس حکومت کی اطاعت مرفوع ہو جاتی ہے۔ نیز حضرت عمرؓ کے آثار میں فرمایا گیا کہ اسلامی حکومت میں ایک کتیا بھی بھوکی نہیں رہ سکتی۔ اس کے برخلاف ہمارے

اس دور کا نظام ہے جس کا دارومدار ہی ربوٰ پر ہے۔ جس میں ملکیت زمین جائز ہے۔ جس میں محض سرمایہ کے زور پر بغیر کسی محنت کے لاکھوں روپے حاصل ہو رہے ہیں۔ جس میں کروڑوں روپے کے قرضہ جات بنکوں سے Write-Off کرائے جاتے ہیں۔ اس نظام میں حاصل کردہ رزق کا ہر لقمہ حرام ہے۔ حلال رزق صرف اسلامی نظام کے ماتحت حاصل ہوسکتا ہے' جس میں رزق کی تقسیم قرآنی قوانین کے مطابق ہوگی۔

(11) قرآنِ کریم میں اسلامی نظام قائم کرنے کے جو بے شمار احکامات آئے ہیں۔ ان میں سے صرف 9 احکامات کو یہاں بیان کر دیا گیا ہے۔ لیکن اسلامی نظام قائم کرنے کی جو اصل وجوہ اور غایت الغایات ہیں وہ دو ہیں۔

i- اللہ تعالیٰ نے جو وعدے انسانیت سے کئے ہیں' اس کے بعد وہ وعدے اس کے نظام کے ذریعے حاصل ہوتے ہیں۔ (جس کی تفصیل آئندہ کسی مضمون میں پیش کردی جائے گی)

ii- اللہ تعالیٰ کی عبادت' اس نظام کی اطاعت کرنے سے ہوتی ہے۔ اگر وہ نظام قائم نہیں ہوتا (جیسا کہ اب ہے) تو انسانیت' اللہ تعالیٰ کی عبادت سے محروم ہے اور یہ بہت بڑی محرومی ہے۔

لہٰذا قرآن کریم کے مطابق تو مومن صرف وہ شخص ہے جو قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ واحد' مکمل اور آخری ضابطہ حیات گردانتا ہے۔ ہر مومن کا فرض ہے کہ وہ اس دنیا میں نظام خداوندی کے قیام کے لئے پوری پوری کوشش کرے وہ جس ملک اور مقام میں بھی ہو وہ وہیں سے اس جدوجہد کو شروع کر دے کیونکہ نظام خداوندی کسی مقام یا کسی دور سے مختص نہیں ہے۔ اس کی پوری پوری کوشش یہی ہو کہ تمام باطل نظام ہائے حیات کو اکھیڑ کر پھینک دے اور اللہ کی زمین پر صرف اور صرف اللہ کے قانون اور نظام کو جاری کر دے' اس لئے کہ اسی نظام کی اطاعت اللہ و رسول کی اطاعت ہے۔ جو لوگ اللہ و رسول کی اطاعت کرنا چاہتے ہوں ان کے لئے از بسکہ ضروری ہے کہ ان کا دیا ہوا نظام جاری کریں۔ جو لوگ اللہ کے نظام کے علاوہ کسی بھی نظام کے ماتحت زندگی بسر کرنے پر رضامند ہوں وہ اللہ اور اس کے رسول کے باغی' مجرم' نافرمان ہیں۔ خواہ وہ کتنے ہی نماز اور روزوں کے پابند ہوں۔

خریدار حضرات توجہ فرمائیں

مجلّہ طلوع اسلام کی درج ذیل خوبصورت جلدیں 275 روپے فی جلد علاوہ ڈاک خرچ دستیاب ہیں۔

70, 72, 75, 76, 77, 83, 84, 85, 86, 87, 88, 94, 98, 2000, 2003, 2004, 2005, 2006, 2007, 2008

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یکے از مطبوعات باغبان ایسوسی ایشن

باغبان ایسوسی ایشن کا ماٹو ''**قرآن فہمی اور باغبانی**'' ہے۔ عصرِ حاضر میں مسلمانوں میں وحدت قیادت نہ ہونے کے سبب اغیار ہمیں جدا جدا کر کے مار رہے ہیں۔ باغبان ایسوسی ایشن نے فیصلہ کیا ہے کہ مسلمانوں میں وحدت اقتدار (خلافت) کے سلسلہ میں مقابلہ مضمون نویسی کا انعقاد کیا جائے۔ اس سلسلے میں کچھ اشتہار پہلے بھی منظرِ عام پر آ چکے ہیں۔ مقابلہ مضمون نویسی کا عنوان:

﴿قیام خلافت کی راہ میں کون حائل ہے﴾

اس مقابلہ میں مضمون کا پہلا حصہ فکرِ اقبالؒ کی روشنی میں اور دوسرا حصہ حالات حاضرہ کی روشنی میں ہونا چاہئے جو کہ 5 صفحات سے کم نہ ہو۔ مضمون کے لئے یہ شرط بھی ہوگی کہ وہ پہلے قومی پریس میں شائع ہو چکا ہو۔ اس سے یہ فکری تحریک اور تیز ہوگی۔ پہلا انعام ایک ہزار روپے نقد اور دوسرا انعام 800 روپے ہوگا۔ ایک عام 5 سطری تجویز جو جامع اور مؤثر ہو اس پر 500 روپے انعام دیا جائے گا۔ شائع شدہ مضامین کی درجہ بندی کے لئے ججز پینل تشکیل دے دیا گیا ہے۔ یہ تمام حضرات باغبان ایسوسی ایشن کے تاحیات ممبر ہیں۔

(1) ملک عبدالمسجود' ایم۔اے۔بی۔ایڈ' مری (2) ملک فضل عالم' بی۔اے' راولپنڈی

(3) راجہ محمد صغیر' ایم۔اے۔ایل۔ایل۔بی' قانونی مشیر' مری (4) محمد اشفاق عباسی' ایم۔فل' مری۔

شائع شدہ مضامین وصول کرنے کی آخری تاریخ مع فوٹوسٹیٹ شناختی کارڈ 15 دسمبر 2009ء مقرر ہے۔ اگر کوئی معیاری مضمون شائع ہونے سے رہ جائے تو بھی غیر شائع شدہ صورت میں قبول کر لیا جائے گا۔

تقسیم انعامات 25 دسمبر 2009ء کو ہوگی۔

☆☆☆☆☆☆☆

پتہ رابطہ: (1) ملک حنیف وجدانی' صدر باغبان ایسوسی ایشن' سنبل سیداں' نیو مری۔

(2) صبینہ یاسمین' سینئر نائب صدر' باغبان ایسوسی ایشن' ٹبی سیداں' سوہاوہ' جہلم۔

(3) تنویر صادق' نائب صدر' باغبان ایسوسی ایشن' مکان نمبر 6/18' گلی نمبر 1' میاں چنوں' خانیوال۔

پاکستان میں

غلام احمد پرویز علیہ الرحمتہ

کا درس قرآن کریم مندرجہ ذیل منظور شدہ مقامات پر ہوتا ہے

نوٹ: نمائندگان محترم سے التماس ہے کہ ایڈریس یا اوقاتِ درس میں تبدیلی کی صورت میں ادارہ کو فی الفور مطلع فرمائیں۔

شہر	مقام	دن	وقت
ایبٹ آباد	234-KL کیہال۔رابطہ۔گل بہار صاحبہ	بروز جمعہ	10AM
ایبٹ آباد	234-KL کیہال۔رابطہ: شیخ صلاح الدین، فون۔0992-334699، موبائل0321-9813250	بروز جمعہ	بعد نماز جمعہ
اسلام آباد	برمکان ڈاکٹر انعام الحق، مکان نمبر302، سٹریٹ نمبر 57، سیکٹر F-11/4 رابطہ: ڈاکٹر انعام الحق، فون نمبر 051-2107321	بروز اتوار	11AM
اوکاڑہ	برمکان احمد علی، بیت الحمد 4-AB-180، شادمان کالونی، ایم۔اے جناح روڈ، رابطہ میاں احمد علی: 0442-527325، موبائل: 0321-7087325	بروز جمعہ	3PM
پنج کسی	برمطب حکیم احمد دین۔رابطہ فون نمبر:	بروز جمعہ	3PM
جہلم	جنجوعہ ٹاؤن، پوسٹ آفس فوجی ملز، نزد بیکن ہاؤس سکول۔رابطہ فون نمبر:	ہر ماہ پہلی اور آخری اتوار	4PM
چوٹی زیریں	بردوکان لغاری برادرز زرعی سروس، ڈیرہ غازی خان۔رابطہ: ارشاد احمد لغاری۔موبائل: 0331-8601520	ہر ماہ پہلا اتوار	12 بجے دن
چنیوٹ	W-11/9، گوجر چوک (گنبد والی کوٹھی) سیٹلائیٹ ٹاؤن۔ رابطہ: آفتاب عروج، فون: 047-6331440-6334433۔	بروز جمعہ	بعد نماز جمعہ
حیدر آباد (قاسم آباد)	محترم ایاز حسین انصاری، B-12، حیدر آباد ٹاؤن، فیز نمبر2، قاسم آباد بالمقابل نسیم نگر آخری بس سٹاپ۔رابطہ فون: 022-654906	بروز جمعہ	بعد نماز عصر
راولپنڈی	فرسٹ فلور، کمرہ نمبر114، فیضان پلازہ۔کمیٹی چوک۔ رابطہ ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ، موبائل: 0332-5479377	بروز جمعہ بروز اتوار	4PM 4PM
راولپنڈی	برمکان امجد محمود، مکان نمبر 14/A، گلی نمبر4، راہِ طلوع اسلام، جنجوعہ ٹاؤن، اڈیالہ روڈ، نزد جراہی سٹاپ، راولپنڈی۔رابطہ: رہائش: 051-5573299، موبائل: 0322-5081985	بروز اتوار	10AM
خان پور	بمقام مکان حبیب الرحمان، محلہ نظام آباد، وارڈ نمبر9 خان پور، ضلع رحیم یار خان رابطہ: نمائندہ حبیب الرحمٰن۔فون نمبر گھر: 068-5575696، دفتر: 068-5577839	بروز جمعہ	3PM

سیالکوٹ	معرفت کمپیوٹرسٹی' سٹی ہاؤس' سٹی سٹریٹ' شہاب پورہ روڈ' رابطہ: محمد حنیف' 03007158446۔ محمد طاہر بٹ' 0300-8611410۔ محمد آصف مغل 0333-8616286۔ سٹی ہاؤس 052-3256700	ہر دوسرے اتوار	5PM
سرگودھا	B-4' گلی نمبر 7' بلاک 21' نزد کی مسجد چاندنی چوک' رابطہ۔ ملک محمد اقبال۔ فون: 048-711233	بروز منگل	7PM
فیصل آباد	رحمان نور سینٹر' فرسٹ فلور' مین ڈگلس پورہ بازار' رابطہ: محمد عقیل حیدر' موبائل: 0313-7645065	بروز جمعہ	4PM
فتح پور' سوات	فتح پور' سوات' رابطہ: خورشید انور' فون: 840055	بروز اتوار	3PM
کراچی	105 سی بریز پلازہ' شاہراہ فیصل۔ رابطہ شفیق خالد' فون نمبر: 0300-2487545	بروز اتوار	10AM
کراچی	A-446 کوہ نور سنٹر' عبداللہ ہارون روڈ' رابطہ محمد اقبال۔ فون: 021-5892083	بروز اتوار	10AM
کراچی	ڈبل اسٹوری نمبر 16' گلشن مارکیٹ' کورنگی نمبر 5۔ رابطہ: محمد سرور۔ فون نمبرز: 021-5031379-5046409' موبائل: 0321-2272149	بروز اتوار	2PM
کراچی	نالج اینڈ وزڈم سنٹر' ڈی۔ 2' گراؤنڈ فلور' ڈیفنس ویو' نزد اقراء یونیورسٹی۔ رابطہ: آصف جلیل فون نمبر: 021-5801701' موبائل: 0333-2121992' محمود الحسن۔ فون: 021-5407331	بروز اتوار	11AM
کوئٹہ	صابر ہومیو فارمیسی تو غی روڈ۔ رابطہ فون: 081-825736	بروز اتوار	4PM
گوجرانوالہ	شوکت نرسری' گل روڈ' سول لائنز۔ رابطہ: موبائل: 0345-6507011	بروز جمعہ	بعد نماز عصر
لاہور	B-25' گلبرگ 2' (نزد مین مارکیٹ' مسجد روڈ)۔ رابطہ فون نمبر: 042-5714546	بروز اتوار	10AM
لاڑکانہ	بر مکان اللہ بخش شیخ نزد قاسمیہ محلہ جاڑل شاہ' رابطہ فون: 074-42714	بروز جمعہ	بعد نماز مغرب
ملتان	شاہ سنز پاکستان (پرائیویٹ) لمیٹڈ' وہاڑی روڈ' (بس سٹینڈ چوک سے تقریباً اڑھائی کلومیٹر وہاڑی کی طرف) ملتان۔ رابطہ فون نمبر: 061-6538572' موبائل: 0300-7353221	بروز جمعہ	3:30PM
منڈی۔۔ بہاؤالدین	رابطہ: خان محمد' (وڈیوکیسٹ) بر مکان ماسٹر خان محمد گلی نمبر 1' محلہ صوفی پورہ۔ فون نمبر: 0456-502878	بروز جمعہ	10 AM
نواں کلی' صوابی	رابطہ بابو اسرار اللہ خان' معرفت ہومیو ڈاکٹر ایم۔ فاروق' محلہ خدر خیل۔ فون نمبر:	بروز اتوار	10 AM
صوابی	بمقام چار باغ' (حجرہ ریاض الامین صاحب)' (رابطہ: انچارج یوٹیلیٹی سٹورز مردان روڈ' صوابی) فون نمبرز: 250092, 250102, (0938)310262	بروز اتوار	3 P.M

غلام احمد پرویز علیہ الرحمۃ کی جملہ تصانیف اور ماہنامہ طلوع اسلام کا تازہ شمارہ بھی انہی جگہوں پر دستیاب ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Two 'equal' in marriage

By

Ubedur Rahman Arain

================================

Assalamualaikum!

The Holy Month of Ramadan gives us all a chance to practise self-restraint and reflect on the state of our spiritual lives. But at the same time that we are looking inwards, we should also take the opportunity to look outwards to reflect on the state of our communities, and even examine the basis of our relationships with our loved ones. The recent laws passed by Afghanistan giving extraordinary powers to husbands over wives have shocked us all and all this is being done in the name of Sharia. Such laws tend to justify violence in the name of religion. These laws use Verse 4:34 of the Holy Quran to support the assumption that husbands can physically punish their wives if they 'disobey' them. What a shame! Would Islam, a religion of peace, ever encourage such violence?

The relationship between Men and Women as described by God in the Holy Quran is that of friends of each other (9:71) and as fellow human beings all equally worthy of respect (17:70). It describes the relationship between husband and wife as that of a pair (Zowj). Two wheels of a cart are Zowj of each other. Can one move a cart if one wheel is larger and the other smaller? It will just go in circles and go nowhere.

The relationship between husband and wife is established by a contract between the two by mutual consent. That does not mean that the woman gives up all her human rights and must obey and accept abuse from her husband, after this contract. She stays a human being and no one can take away her God given rights as equal citizen of this world. A marriage contract brings in additional obligations to both men and women. To men, they have to provide for their family and to women they have to raise the children. Since

raising children is a full time job, particularly in the early years, a woman cannot earn for herself. God has clearly mentioned in the Quran that men who are unable to provide the needs of their family should not marry. Hence providing sustenance for wife and family is not a favor to her but that is man's obligation as ordained by God. That does not make him superior or ruler over his wife.

The misconception is raised by improper understanding of the Quranic verse 4:34. This verse, from Soorah AlNisa - the fourth chapter of the Holy Quran, is incorrectly taken as describing rights and obligations of husbands and wives. This chapter starts with the words "Ya Ayuhannas" that translates as "O human beings". In other words, this Soora is addressing humanity and not any particular group or gender. Verse 34, specifically, addresses "The Men" and "The Women" of society, in general, and not "Husbands and Wives". It assigns a certain role for the men and a certain different role for the women of society. At the end of this verse, it says that women can be questioned and cross examined (adribu) if they do not fulfill their obligations. This word (adribu) is understood by some to mean that the women can be punished.

Even if it means punishment, the husbands have no right to give this punishment by themselves. The verse gives guidelines for human society, not giving "Husbands" the right to interpret the laws as they like. Every civil society today has a justice system to punish individuals who break laws and the individuals do not have right to take the law in their own hand. If one catches their business partner embezzling money, it is not acceptable to punish him yourself. One reports the embezzlement, and brings a case against him. When the business partner is found guilty, he will be punished according to the collective law, not based on your wishes! The case of husband and wife is quite similar to this. These are two individuals living together by virtue of a contract. If any one of them breaks the contract - the other can go to the law. For domestic issues, guidance from God in the Quran is firstly to go for family arbitration (2:235) to resolve the dispute and if they do not succeed, then go to the justice system.

The Holy Quran has tens of verses that define relationship between husbands and wives (2:229 - 237; 4:19; 4:25) and these ask for kindness to women. These verses make it clear that relationship between men and women is that of kindness. Verse (30:21, 9:71) describes men and women as protecting friends of each other. Verse (2:23) condemns hurting women; (4:19) forbids forced marriages. Even in divorce, we are asked to be kind (2:229; 2:231).

It is indeed a worrisome state of affairs in the world that domestic violence goes on unabated. The spirit of the Holy Month of Ramadan, which teaches us to put aside our baser emotions and focus on bringing peace into our lives, makes it obvious that there can be no religious basis for domestic violence. This is just animal instinct - where the physically strong take advantage of and abuse the weak. Let us all hope that this holy month will open people's minds and hearts to the truth of God's message and we can all live with kindness towards one another.

Ramadan Kareem (For any comments, please feel free to contact the writer on his email address :uarain@gmail.com)

=================